دار المصنّفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اوّل مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہو کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہو، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہو، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہو، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہو، ضخامت مجموعی ۵۰۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی قیمت: للعہ ر جلد دوم زیر طبع ہو، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہو جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہو، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت ؎ للعہ ر مترجمہ مولنا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۵۴۰ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت: للعہ ر مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی

مقدمۂ رقعات عالمگیر اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہو جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت: للعہ ر مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہو، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہی، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۶۱۲ صفحے، قیمت ؎ للعہ ر

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصۂ اوّل، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا تذکرہ ہے، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت: ؎ للعہ ر از مولنا حاجی معین الدین ندوی

(دار المصنّفین کی کتابوں کی مفصّل فہرست دفتر دار المصنّفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنّفین اعظم گڈہ

جلد ۳۸ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۶ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

سر فضل حسین کا ماتم ملک کے گوشہ گوشہ میں برپا ہے، مرحوم کے سیاسی مسلک سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، مگر ان کی قابلیت، تدبیر، بیخوفی، دلیری، ہر دلعزیزی، اور قومی بہی خواہی سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو، وہ ان حکومت پسندوں میں نہ تھے جو اپنی شخصی ترقی کو صرف اپنی خاندانی ترقی کا زینہ بناتے ہیں، بلکہ ان میں تھے جو حکومت کا ساتھ دیکر اپنی سمجھ کے مطابق قوم اور ملک کی بھلائی کرتے ہیں، مرحوم کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ جس محفل میں ہوتے تھے اس پر چھا جاتے تھے، وہ فطری لیڈر تھے اور دوسرے ان کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے، وہ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہو کر گویا یہ کہنا چاہئے وہ صرف ممبر نہیں رہے تھے، بلکہ اپنی دانائی، عزم، حسن تدبیر اور دلائل کی قوت کی بنا پر پوری کونسل کی عنانِ سیاست کے تنہا مالک تھے،

مرحوم مرض دق کے بیمار تھے، پھر بھی مجلس حکومت کی رکنیت سے علٰحدہ ہو کر انھوں نے آرام نہیں کیا، بلکہ سیاسیاتِ پنجاب کی الجھی ہوئی گتھی کو اپنی شبانہ روز کی محنت سے سلجھانے میں مصروف ہو گئے، اور یہ ان کا کمال سمجھنا چاہئے کہ وہ ہندؤوں اور مسلمانوں کی ایک متحدہ سیاسی پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گئے اور خود اعتمادی یہ تھی کہ ہر مخالف کوشش کو بے حقیقت سمجھ کر اپنے کام میں بے خوف لگے رہے، گو ہم کو یہ معلوم ہے کہ اس متحدہ پارٹی کی پراگندہ اوراق کتاب کا شیرازہ کس نے باندھا، تاہم مرحوم کی مہارتِ فن کی داد دینی پڑتی ہے کہ خود شیرازہ بند کو بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان منتشر اوراق کا شیرازہ خود ان کی ذات ہے، پروردگارِ عالم ان پر رحمت فرمائے، اور اپنے فضل و کرم سے آخرت کی عزت سے بھی ان کو سرفراز کرے،

سید رشید رضا اڈیٹر المنار مصر کی وفات سے یہ ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کا بین الاقوامی اسلامی رسالہ المنار بند ہو جائے، مگر ان کے عزیزوں اور دوستوں کی کوشش سے یہ خطرہ دور ہو گیا، المنار اب پھر نکلنا شروع ہو گیا ہے، انکی تفسیر کے سلسلہ کو شام کے مشہور سلفی عالم شیخ بہجت عطار نے اور رسالہ کی اڈیٹری کے فرض کو سید مرحوم کے بھتیجے سید محی الدین رضا نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور محرم ۱۳۵۵ھ کے حساب سے اس کی اشاعت شروع کر دی ہے، امید ہے کہ رسالہ اپنی عالمگیر اسلامی حیثیت کو قائم، اور مرحوم کے روحانی فیض کو جاری رکھے گا،

اعظم گڈھ میں بمقام سرائے میر عربی کا ایک جدید طرز کا مدرسہ مولانا شبلی مرحوم کے بنائے ہوئے خاکہ کے مطابق مدرستہ الاصلاح کے نام سے پچیس چھبیس برس سے قائم ہے، اس کے ناظم مولٰنا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، مولٰنا حمید الدین صاحب نے مراجعتِ وطن کے بعد اپنی بقیہ زندگی اسی مدرسہ کی علمی و تعلیمی رہبری میں صرف فرمائی، اسی کی خاطر انھوں نے ہزار روپیے ماہوار کی نوکری چھوڑی، گھر بار چھوڑا، مدرسہ ہی میں بود و باش اختیار کی، اور وہاں کے طلبہ و مدرسین کو قرآن پاک کا درس دینا شروع کیا، اور اپنی ساری متاعِ علمی مدرسہ کے چند ہونہار طلبہ کے سپرد کر دی،

اس مدرسہ کا مقصد یہ ہے کہ عربی صرف و نحو کی دقتوں کو کم کر کے عربی علوم کی تعلیم دیجائے، قرآن پاک کو اس تعلیم کا محور بنایا جائے، دوسرے علوم کو قرآن پاک کا خادم سمجھکر سکھایا جائے، اور فلسفہ و منطق کی دراز کار کتابوں کو بہت کم کر دیا جائے، مدرسہ کا کاروانِ عمل شروع سے آج تک اسی راہ پر چل رہا ہے، اور اچھے نتیجے پیدا کر رہا ہے، اس میں کام کرنے والے چند مدرس نہایت ایثار پیشہ، بے غرض اور مخلص علما ہیں، جن میں کچھ ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ، اور کچھ خود اسی مدرسہ سے نکلے ہوئے ہیں، مدح و ستایش نہیں واقعہ ہے کہ ان مدرسین نے مہینوں قوت لایموت پر گذر کر کے اور سالہا سال تنخواہ نہ پا کر اس اخلاص اور ایثار کے ساتھ

کام کیا ہے، اور اب تک کر رہے ہیں کہ ہمارے موجودہ قومیات میں اس کی مثال مشکل سے ملیگی،

اس پاس میں "علماے زمانہ" کی کمی نہیں، انھوں نے اس کے مقابل دوسرا مدرسہ قائم کیا، اور اپنے مدرسہ کے چلانے کے لئے یا اپنے زعم میں نیک نیتی سے وقتاً فوقتاً مدرستہ الاصلاح کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو اس کی امداد سے روکنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ع دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی ترست ان کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی، اور مدرستہ الاصلاح کا کام بڑھتا ہی رہا، چنانچہ کئی ماہ سے مدرستہ الاصلاح کے چند علماء نے مل کر مولٰنا حمید الدین مرحوم کی یادگار اور ان کی تصنیفاتِ قرآنی کی اشاعت کے لئے دائرہ حمیدیہ قائم کیا ہے، اور اس کی طرف سے الاصلاح نام ایک رسالہ جاری ہوا ہے، جو ماہ بماہ کامیابی کیساتھ نکل رہا ہے،

یہ جدید ترقی مخالفوں کے سامانِ "ہیزم کشی" کے لئے آگ ثابت ہوئی، انھوں نے اسکی تباہی کے لئے اپنے آخری بے پناہ حربہ (کافرگری) کو استعمال کیا، اور تھانہ بھون، سہارنپور، دہلی، بمبئی اور دیوبند وغیرہ کے چند علماء کو مولٰنا شبلیؒ اور مولٰنا حمید الدینؒ کی چند بے محل عبارتیں دکھلا کر دونوں کی تکفیر کا فتویٰ لے آئے، جس پر اہل علمائے کرام کی تصدیقی مہریں ثبت ہیں، پھر دہلی و میرٹھ و بچھراوں وغیرہ سے ایک درجن ایسے علماء بلا کر لے آئے جو اپنے مخالفوں کو بہتر سے بہتر مذہبی اور اخلاقی گالیاں دے سکیں، چنانچہ مدرسہ کے قریب کی ایک زمین میں جلسہ جما کر تین روز تک پیہم ان دو مرحومین کو اور ان کے تعلق سے مدرسہ کو بد تر سے بدتر کلمات ناشائستہ سے یاد فرماتے رہے،

یہ واقعہ اپنی نوع کا جیسا بھی ہو تاہم ہم اپنے برادران و عزیزانِ مدرستہ الاصلاح کو مبارکباد دیتے ہیں کہ مخالفین کے اس کل مظاہرہ میں انھوں نے صبر و سکون کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور ان کے پاؤں تہذیب و متانت اور وقار و تمکنت کے جادہ سے الگ نہیں ہوئے، دوسری بشارت اس میں یہ ہے کہ دشمنوں نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چھوڑ دیا اور انھیں معلوم ہو گیا کہ ان کے بازؤں میں زور اور ہمارے سینوں میں مضبوطی کتنی ہے، اب وہ بھی آرام سے رہینگے اور ہم بھی آرام پائینگے،

مقالات

اسلام میں حیوانات کیساتھ سلوک

"اسلام میں جانور کو کھانے کے لئے ذبح کرنا جائز ہے، اور ساتھ ہی یہ کہ مسلمان کسی جانور کو مقدس سمجھ کر اسکی تعظیم و تکریم نہیں کرتے، نہ وہ کسی جانور کو اپنی ماتا کہتے ہیں، اسلئے بعض فرقوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اسلام میں کسی جانور کیساتھ نیک سلوک کرنا ثواب کا کام نہیں،

ذیل کا مضمون اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے شائع کیا جاتا ہے، یہ درحقیقت سیرۃ نبویؐ کی چھٹی جلد کے چند صفحے ہیں،"

"س"

اسلام نے دنیا میں لطف و محبت کا جو عام پیغام لیکر آیا تھا، اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع ہے، اس نے حیوانات کیساتھ متعدد طریقوں سے سلوک کرنے کی ہدایت کی، اہلِ عرب وحشت اور قساوت کی وجہ سے حیوانات پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے، وہ جانوروں کو اندھا دھند مار کر گرا دیتے تھے، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ان کو کھا جاؤ، اور اسکو فیاضی سمجھتے تھے، دو آدمی شرط باندھکر کھڑے ہو جاتے تھے، اور باری باری سے اپنا اپنا ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا تھا، جو رک جاتا وہ ہار جاتا، یہ سب جانور دوست و احباب کی دعوت میں نذر ہو جاتے تھے، یہ بھی فیاضی سمجھی جاتی تھی، ان واقعات کا ذکر اشعارِ عرب میں موجود ہے، ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرجاتا، تو اسکی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھتے تھے

اور اسکو دانہ گھاس اور پانی نہیں دیتے تھے، اور وہ اسی حالت میں سوکھکر مرجاتا، ایسے جانور کو بلیہ کہتے تھے، اسلام آیا تو اوس نے اس سنگدلی کو مٹادیا،

عرب میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر اس پر نشانہ لگاتے تھے، آنحضرت صلعم نے اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا، اور عام حکم دیا کہ کسی ذی روح چیز کو اس طرح نشانہ نہ بنایا جائے،[1] ایک بار ایک لڑکا اسی طرح ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنارہا تھا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مرغی کو کھول دیا، اور مرغی کیساتھ اس لڑکے کو لیکر اس کے خاندان میں آئے، اور کہا کہ اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس طریقہ سے جانور یا اور کسی جاندار کے نشانہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح کچھ اور لوگ مرغی کو باندھ کر نشانہ بنارہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا گذر ہوا، تو وہ لوگ بھاگ گئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، رسول اللہ صلعم نے ان کو ملعون قرار دیا ہے،[2] اس سے بھی زیادہ بیرحمانہ طریقہ یہ تھا، کہ زندہ اونٹ کے کوہان، اور دنبہ کے دم کی چکتی کاٹ کر کھاتے تھے، رسول اللہ صلعم نے مدینہ میں آکر یہ حالت دیکھی، تو فرمایا کہ اس طریقہ سے زندہ جانوروں کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے وہ مردار ہے،[3] یہ ایک خاص صورت تھی، لیکن عموماً زندہ جانوروں کے مثلہ کرنے یعنی ان کے کسی عضو کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی،[4] بلاضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا،[5] ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے اگر گنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور

[1] ترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی کراہیۃ اکل المصبورہ ص ۲۵۵، [2] بخاری کتاب الذبائح والصید، باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ [3] ترمذی ابواب الصید باب ماجاء ما قطع من الحی فہو میت، [4] بخاری کتاب الذبائح والصید باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ [5] مستدرک حاکم جلد ۴، ص ۱۰۲،

کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا، تو خدا اس کے متعلق اس سے باز پرس کریگا، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اسکو ذبح کرے، اور کھائے یہ نہیں، کہ اس کا سر کاٹ کے پھینک دے،[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا، اور وہ درندہ بھی نہیں اُن کا مارنا جائز نہیں، سُنن نسائی میں ہے کہ جو شخص گنجشک کو بلاضرورت ماریگا، وہ قیامت کے دن خدا کے یہاں فریاد کریگی، کہ فلاں نے مجھ کو بلاضرورت مارا ہے، اس سے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا،[2] جو جانور کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، یا اون سے انسانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، ان کا مارنا بھی جائز نہیں، چنانچہ آپ نے خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے،[3]

جو جانور ضرورۃً مارے یا ذبح کئے جاتے ہیں، ان کے مارنے یا ذبح کرنے میں بھی ہر طرح کی نرمی کرنے کا حکم دیا، ایک حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا، کہ خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے اسلئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو، تو اچھے طریقے سے مارو، اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، تم میں ہر شخص چھری کو تیز کرلے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے،[4]

ایک حدیث میں ہے، کہ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے، یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے، کہ بکری کو ذبح کروں، فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا،[5]

یہی وجہ ہے کہ دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانوروں کے ذبح کرنے کی ممانعت فرمائی،[6] کیونکہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے، کنکر پتھر، یا غلیل چلانے کی

[1] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح ص ۳۵۰، [2] نسائی کتاب الضحایا ص ۲۰۹، [3] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح صفحہ ۳۶۲، [4] مسلم کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ [5] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۶، [6] نسائی صفحہ ۲۰۴،

بھی ممانعت فرمائی، اور فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا، نہ دشمن شکست کھا سکتا، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے، اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے[1]، مطلب یہ کہ بلا ضرورت جانوروں اور پرندوں کو جسمانی صدمہ پہنچانا جائز نہیں،

جانوروں کے ساتھ جو بے رحمیاں کی جاتی تھیں، ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا، کہ جانوروں کو دُکھ درد پہنچانا گناہ کا کام ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اہل عرب کو بتایا کہ جس طرح انسانوں کی ایذا رسانی ایک شرعی جرم ہے، اسی طرح جانوروں کی ایذا رسانی بھی ایک مذہبی گناہ ہے، چنانچہ ایک عورت کی نسبت آپنے فرمایا کہ اُس پر صرف اسلئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا، اور اسکو کھانا پانی کچھ نہ دیا، اور آخر وہ اسی طرح بندھی بندھی مرگئی[2]، بلکہ لوگ چونکہ انسانوں کی بہ نسبت جانوروں کو زیادہ ستاتے ہیں اس لئے وہ اس معاملے میں بہت زیادہ گنہگار ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جانوروں کیساتھ جو بدسلوکیاں کرتے ہو، اگر خدا ان کو معاف کر دے تو سمجھو کہ اس نے تمھارے بہ کثرت گناہ معاف کر دیئے[3]،

ایک حدیث میں ہے کہ ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے اترے، تو ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا اونھوں نے پہلے اپنا سامان اس جگہ سے ہٹایا، پھر تمام چیونٹیوں کو آگ سے جلا دیا، اس پر خدا نے ان کو وحی کے ذریعہ سے متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا[4]، یعنی قصاص کی مستحق صرف وہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا، تمام چیونٹیوں کا قصور نہ تھا، ایک حدیث میں ہے، کہ ایک سفر جہاد میں صحابہ کرام ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، چڑیا فرط محبت سے ان کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ صلعم قضائے حاجت کو گئے ہوئے تھے، واپس آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اسکے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسکو بیقرار کیا؟

[1] بخاری کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبندقۃ، [2] بخاری کتاب الانبیا صفحہ ۴۹۵، [3] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۴۰، [4] بخاری جلد اول کتاب بدء الخلق ص ۴۶۷،

اسکے بچوں کو چھوڑ دو، صحابہ کرام نے چیونٹیوں کے ایک گھر کو بھی جلا دیا تھا، دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا کہ یہ خود صحابہ کا فعل تھا، تو فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف خدا ہی کیلئے سزاوار ہے[1]،

اسی طرح اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس طرح انسانوں کیساتھ سلوک کرنا ثواب کا کام ہے، بعینہ اسی طرح جانوروں اور پرندوں کیساتھ سلوک کرنا بھی موجب ثواب ہے، اسی عدم واقفیت کی بنا پر ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا، کہ میں نے خاص اپنے اونٹوں کیلئے پانی کے جو حوض بنائے ہیں، اُن پر بھولے بھٹکے اونٹ بھی آجاتے ہیں، اگر میں ان کو پانی پلادوں، تو کیا مجھکو اس پر ثواب ملے گا؟ فرمایا کہ ہر پیاسے یا ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے[2]،

ایک حدیث میں ہے، کہ ایک شخص راستے میں جارہا تھا، کہ اسکو سخت پیاس لگ گئی اتفاق سے اسکو ایک کنواں مل گیا، اور اُس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پی لیا، کنوئیں سے نکلا، تو دیکھا کہ کتا پیاس سے زبان نکال رہا ہے، اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اوس نے اپنی پیاس کی شدت کو یاد کر کے اس پر ترس کھایا، اور کنوئیں میں اتر کر پانی لایا، اور اسکو پلایا، خدا کے نزدیک اس کا یہ عمل مقبول ہوا، اور خدا نے اسکو بخش دیا، صحابہ کرام نے اس واقعہ کو سُنا تو بولے کہ یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ ہر ذی حیات کیساتھ سلوک کرنا موجب ثواب ہے[3]،

اس اصول کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کے تمام احسانات کو عام کر دیا، اور فرمایا کہ جو مسلمان درخت نصب کرتا ہے، یا کھیتی باڑی کرتا ہے، اور اسکو چڑیا یا انسان یا جانور کھاتا ہے، تو یہ ایک صدقہ یعنی ثواب کا کام ہے[4]،

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراہیۃ حرق العدو [2] ابن ماجہ باب الادب باب فضل صدقۃ الماء [3] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم، [4] بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ،

اس اصول کے بتانے کے بعد عملی طور پر جانورون کیساتھ سلوک کرنے کے متعدد اصول بتائے،

۱- جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی کام لینا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار ہوکر جا رہا تھا، بیل نے مڑکر کہا کہ میں اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہون، صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہون[1]، نیز فرمایا کہ اپنے جانورون کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے ان کو تمھا فرمانبردار صرف اسلئے بنایا ہے، کہ وہ تمکو ایسے مقامات میں پہنچا دیں جہان تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے تھے، تمھارے لئے خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے، اپنی ضرورتین اسی پر پوری کرو[2]، اگرچہ رسول اللہ صلعم نے بعض موقعون پر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے، اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت سواری کے جانورون کی پشت پر بے سبب بیٹھے رہنا مناسب نہیں کہ اس سے جانور کو غیر ضروری تکلیف ہوتی ہے، صرف سفر کی حالت میں اس پر سوار ہونا چاہئے،

۲- جانورون کے آرام و آسایش کا خیال رکھنا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو، تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ، اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو اسکو تیزی کیساتھ چلاؤ[3]، تاکہ قحط کی وجہ سے اسکو گھاس یا چارے کی جو تکلیف راستہ میں ہوتی ہے، اس سے وہ جلد نجات پائے، ایک بار آپ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا، ان بے زبان جانورون کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو، اور ان کو کھاؤ، تو ان کو اچھی حالت میں رکھکر کھاؤ،

[1] بخاری ابواب الحرث و المزارعۃ باب استعمال البقر للحراثۃ، [2] ابو داؤد کتاب الجہاد فی الوقوف علی الدابۃ، [3] مسلم کتاب الامارۃ باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب فی السیر والنھی عن التعریس فی الطریق،

ایک بار آپ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لئے گئے، اس میں ایک اونٹ تھا جو رسول اللہ صلعم کو دیکھکر بلبلایا، اور آب دیدہ ہوگیا، آپ اس کے پاس گئے، اور اسکی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے،؟ ایک انصاری نوجوان نے آکر کہا کہ میرا، یا رسول اللہ، فرمایا اس جانور کے بارے میں جس کا خدا نے تمکو مالک بنایا ہے، خدا سے نہیں ڈرتے، اس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اسکو بھوکا رکھتے ہو، اور اس پر جبر کرتے ہو[1]،

۳- جانورون کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا[2]،

۴- جانورون کے باہم لڑانے سے بھی منع فرمایا[3]، کہ اوس سے وہ بے فائدہ گھائل اور زخمی ہوکر تکلیف پاتے ہین،

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب والبہائم، [2] ابو داؤد کتاب الجہاد باب وسم الدواب، [3] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم،

وقت کی ایک اہم تالیف

"اورنگزیب اور اُس کا عہد"

مؤلفہ جناب ظہیر الدین صاحب فاروقی بی اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لا ہبراُبخ،

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

"قرآن کے نظامِ سیاست نے ان ہندوؤں کی زندگی کو جو راسخ العقیدہ مسلمان حکمران کے زیرِ حکومت تھے، ناقابلِ برداشت بنا دیا تھا، اس نظامِ سیاست کا بہترین نمونہ اورنگزیب تھا، جس نے اپنی عدیم المثال اخلاقی سیرت اور مذہبی سرگرمی اس سیاست کو منطقیانہ تتمہ پر پہنچانا فرض سمجھا، اس نے ہندوؤں کے علوم و فنون کو منتشر کر دیا، ہندوؤں کی عبادتگاہوں کو منہدم کر دیا، ہندوؤں کے میلوں اور تہواروں کو روک دیا، ہندوؤں پر مالی بار کا اضافہ کیا گیا، انھیں ہر لحاظ سے نیچا دکھایا گیا، ان کو حکومت کی ملازمتوں سے محروم کر دیا گیا، پس اورنگزیب کے ماتحت جو ہندو تھے وہ اپنے علوم و فنون سے بے خبر ہو کر، مذہبی روایات سے بیگانہ ہو کر، معاشرتی ارتباط اور عام مسرتوں سے نا آشنا ہو کر زندگی بسر کر سکتے تھے، دولت اور خود اعتمادی سے بھی جو مواقع اور آزادی کے نتائج تھے وہ محروم تھے، غرضیکہ ان کی زندگی مستقل معاشرتی اور سیاسی ذلت ہو کر رہ گئی تھی"۔ (اورنگزیب از جادو ناتھ سرکار جلد ۵ ص ۴۹۵)

"اورنگزیب ایک کامیاب سپہ سالار، وزیر، مذہبی پیشوا، مکتب کا مدرس ہو سکتا تھا، لیکن قدرت کی ستم ظریفی نے اسے ایک تخت پر لا کر بٹھا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی ناکام ہو کر رہ گئی اور اس کی شہرت پامال ہو گئی، . . . . . . وہ ایک درویش ہو سکتا تھا، گرچہ درویش کے اعلیٰ صفات سے بھی محروم تھا،

لیکن وہ حکمران کی حیثیت سے ایسا بدترین ثابت ہوا کہ اس سے زیادہ بدتر تصور نہیں کیا جا سکتا ہے"

(اسٹڈیز ان مغل انڈیا جادو ناتھ سرکار ص ۶۰-۶۳)

یہ الفاظ اورنگزیب کے اس سیرت نگار کے ہیں جو محض اس کی سیرت نگاری کی بدولت دنیا میں ہر قسم کے جاہ و ثروت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے، عموماً ایک سیرت نگار ایک ایسی شخصیت کی سیرت نگاری کو موضوع قرار دیتا ہے جو عظیم الشان واقع ہوتی ہے، لیکن یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ فاضل سیرت نگار نے بیس برس کی طویل مدت ایک ایسے حکمران کی سیرت نگاری میں گنوائی" جو ایسا بدترین ثابت ہوا کہ اس سے زیادہ برا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، بیس برس کی کد و کاوش اور پانچ جلدوں کی خامہ فرسائی کے بعد ایک سوانح نگار کا اپنے ہیرو کو نالائق، نااہل اور ناکام دکھانا سوانح نویسی کی ایک عجیب و غریب مثال ہے،

مگر ایک حقیقت شناس مورخ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ تاریخ کی کسی شخصیت کو برا محض اس لئے کہے کہ وہ اس کے قومی نقطۂ نظر سے برا ثابت ہوا، یہ تاریخ نویسی کے صفاتِ عالیہ کا نہیں بلکہ ایک فرض فراموش مورخ کی جذبات پروری کا مظاہرہ ہوگا، ایک صحیح مورخ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ عصبیت و جذبات سے آزاد ہو کر تاریخی شخصیتوں کو ان کے حالات، مشکلات اور زمانہ کے اقتضاء کے مطابق دیکھنے کی کوشش کرے، پھر وہ جو نتائج مترتب کرے ان میں تاریخیت اور واقعیت ہو نہ کہ قومیت اور عصبیت کی تنگ نظری:

اورنگزیب کے زمانہ کا صحیح مطالعہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا ہے، جب تک کہ تیموری خاندان کے تمام ماقبل حکمرانوں کی حکمتِ عملی کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے، کیونکہ اورنگزیب کے زمانہ کی تمام پیچیدگیاں ایک سیاسی ارتقار کا نتیجہ تھیں جو اس کے اسلاف کی بعض غیر مآل اندیشانہ روش کے باعث ظہور پذیر ہوئیں، اور اسے ایک ناقابلِ انکار حقیقت سمجھنا چاہئے کہ عالمگیری عہد کے تمام انتشار و اختلال کا سبب اکبر تھا

ہندو اکبر کے اس احسان کو فراموش نہین کر سکتے کہ اس نے ان کو مسلمانون کے ساتھ نہ صرف مساویانہ طور پر صف آرا کیا، بلکہ مسلمانون کی ہیبت، سطوت، جبروت اور عزت و وقار کو ان کے دلون سے محو کر دیا، عام ہندو جو حاکم قوم کے تمام افراد کو فوق البشر سمجھ کر سر تسلیم خم کرنا اپنا شیوہ سمجھتے تھے اب نہ صرف ہمسری اور ہمچشمی کا دعویٰ کرنے لگے بلکہ عام طور پر ان سے کھنچنے لگے، انکا مذہبی تفوق عقلی امتیاز اور قومی وقار جاتا رہا، انہی عناصر نے اورنگ زیب کو پیدا کیا جس نے اپنی حکمران قوم کے گم شدہ وقار اور روایات کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کی، اتفاق سے اسی زمانہ مین سیواجی ابھرا جس کی بڑھتی ہوئی قوت سے ہندو قومیت ایک جدید قالب مین آگئی، مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہ اپنی قزاقی، غارتگری اور رہزنی کے باوجود مذہب و سیاست کا بے عدیل ہیرو قرار پایا مگر غریب اورنگزیب اپنی قوم کی تجدید و تشکیل کی مصلحانہ کوششون کی خاطر اتنا برا قرار پایا کہ اس سے زیادہ برا تصور کرنا خود تصور کی اہانت ہے،

ہندو اورنگزیب کی مخالفت محض اس لئے کرتے ہین کہ اس نے ان کی بڑھتی ہوئی قوتون کو آگے بڑھنے نہین دیا، اس نے ان کے محبوب دارا کو تہ تیغ کیا جس کی وسیع المشربی سے انہین ہندو راج قائم کرنے کی امید بندھ چلی تھی، مگر ایک غیر متعصب مورخ کیونکر اس بات کو قطع نظر کر سکتا ہے، کہ اورنگزیب ایک اسلامی حکومت کا مسلمان حکمران ہو، لیکن اسلامی مذہب کا پاسبان، اسلامی شعار کا نگہبان اور اسلامی وقار کا محافظ نہو، اس لئے اگر تمام فرقہ دارانہ ذہنیت سے آزاد ہو کر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اورنگزیب ایک مسلمان بادشاہ تھا جس نے اسلامی حکومت کے کھوئے ہوئے وقار کو قائم کرنے کی کوشش مین تمام ذرائع استعمال کئے تو پھر اس پر کوئی الزام نہین رہتا،

مگر اس کو کیا کیجئے، غیر مسلم فرقہ دارانہ ذہنیت نے اورنگزیب کو ہمیشہ بدترین روشنی مین دیکھنے کی کوشش کی ہے، شروع شروع یہ کام انگریزون نے شروع کیا، اس کے بعد ان کی جگہ ہندو بنگالیون

اور مرہٹون نے لی، ان مین سب سے نمایان جگہ سر جدو ناتھ سرکار نے حاصل کی، انھون نے عالمگیر پر پانچ جلدین لکھ کر اس کی مدلل ہجو و مذمت کا ذخیرہ فراہم کر دیا، اس قسم کی غلط فہمیون اور گمراہیون کو دور کرنے کے لئے اردو کے اہل قلم نے برابر کوشش کی، مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "عالمگیر پر ایک نظر" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا، پھر دار المصنفین (اعظم گڈھ) کے ایک ممتاز رفیق نے (جو اب اسماعیلیہ کالج بمبئی مین پروفیسر ہین) عالمگیریات پر دس سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد "رقعات عالمگیر" اور "مقدمۂ رقعات عالمگیر" لکھ کر اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کیا، پروفیسر موصوف کی تحقیقات ابھی تک جاری ہین، جو کئی جلدون مین ظاہر ہونگی، پہلی جلد مین صرف عالمگیر کی شاہزادگی کے حالات و واقعات ہین لیکن جس نے اس کی شہزادگی کے حالات کو اچھی طرح سمجھ لیا، پھر اس کو پنجاہ سالہ حکومت کے واقعات پر کچھ بھی استعجاب نہ ہوگا،

لیکن ضرورت تھی کہ اس قسم کے تاریخی لٹریچر ان انگریزی دان غیر مسلمون کے سامنے بھی ہون جو اردو زبان سے ناآشنا ہین، الحمد للہ کہ جناب ظہیر الدین صاحب فاروقی بی۔ اے (علیگ) بیرسٹر ایٹ لا بہرائچ نے اس کمی کو بہت حسن و خوبی کے ساتھ پورا کر دیا، ان کی زیر نظر کتاب "اورنگزیب اور اس کا عہد" برسون کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے، فاضل مؤلف نے فارسی، عربی، اردو، ہندی، مرہٹی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبان کی ان تمام کتابون اور رسالون سے استفادہ کیا ہے، جو عالمگیر اور اس کے عہد کے متعلق کچھ بھی معلومات فراہم کرتے ہین، اس تلاش و جستجو کے بعد جو کتاب تیار ہوئی ہو وہ ظاہر ہے کہ کس قدر مفید اور کارآمد ہوگی، کتاب چوبیس ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے، لائق مؤلف نے ہر باب مین باریک بینی اور دقت نظر سے کام لے کر اورنگزیب کی ذات سے متعلق جو غلط فہمیان عام طور پر پھیلی ہوئی ہین، ان کو کامیابی سے دور کیا ہے، طرز تحریر مین جذبات و کیفیات کی لہرین موجزن نہین بلکہ واقعات کی موشگافی حقائق کی روشنی مین کی گئی ہے،

پہلا باب بہت ہی مبصرانہ اور مورخانہ انداز مین لکھا گیا ہے، ابتدا مین مسلمان حکمرانون کی جانشینی کے اصول پر مختصر طریقہ سے تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف نے بتایا ہے کہ کس طرح ہمایون، اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کی تخت نشینی خون آشام رہی ہے، شاہجہان کے بعد پھر وہی تاریخ دہرائی جا رہی تھی، دارا حصولِ سلطنت کے لئے تمام ذرائع استعمال کرتا ہے، وہ نہ صرف ملکی مہمات، جزوی معاملات اور خانگی تعلقات مین اورنگزیب کی تذلیل اور تضحیک کرکے باپ کی نظرون سے گرانا چاہتا ہے بلکہ ہندوون کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر اپنے مذہبی اعتقادات اور تصورات کو بھی انہیں کے خیالات کے مطابق رنگ آمیزی کرتا ہے۔

مؤلف نے دارا کے عقائد پر بحث کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ وہ کس طرح ہندوون کا سیاسی آلۂ کار بننے والا تھا، اکبر کے زمانہ مین اسلام کی سیاسی اور مذہبی ہیئت اجتماعیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، ہندو اپنی قومیت کی تشکیل اور تکوین کے گھمنڈ مین مسلمانون کے مدمقابل ہو کر ان کے سیاسی مرکزون اور مذہبی ادارون پر ضرب کاری لگا رہے تھے، جہانگیر کی نرمی اور لینیت نے انہین اور مواقع دیئے، شاہجہان کے عہد مین دارا کو دیکھ کر وہ خوش تھے کہ ایک دوسرا اکبر پیدا ہو رہا ہے جو ان کے سیاسی مقاصد کی تکمیل مین بہترین معاون ثابت ہوگا،

فاضل مؤلف ان واقعات پر محققانہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ "سترہوین صدی کے اواخر کے ردِعمل کے تمام جراثیم اکبر کے اس طرزِ عمل مین پائے جاتے ہین جو اس نے مسلمانون کی طرف سے اختیار کیا۔ . . . . اکبر کی رواداری مسلمانون کے لئے نہ تھی، بلکہ اسے ان کے جذبات کو صدمہ پہنچانے مین لطف ملتا تھا، اس کے الحاد سے مسلمانون مین شورشین اور بغاوتین ظہور پذیر ہونے لگین لیکن اس نے اپنے آہنی پنجون سے انہین فرو کیا، مسلمانون کے جذبات کی اشتعال انگیزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اکبر ابھی بسترِ مرگ ہی پر تھا کہ جہانگیر سے جس کی تخت نشینی بالکل متیقن نہین تھی، بارہہ کے سادات نے حلف لیا کہ وہ ہر ممکن کوشش سے اسلام کی عزت و ناموس کا تحفظ کریگا . . . . . .

شاہجہان کے عہد مین یہ پرانا زخم دارا کے مشکوک اور مشتبہ معتقدات کی شکل مین پھر ابھر آیا، دارا نے ان تمام ذرائع کو استعمال کیا جو اس کے دادا نے کیا تھا، اس صورت حال مین راسخ العقیدہ مسلمانون نے اورنگزیب کا نجات دہندہ کی حیثیت سے خیر مقدم کیا، وہ جانتے تھے کہ دارا اکبر کے نقشِ قدم پر چلیگا، پس اورنگزیب کو اپنے ماحول کا پیداوار سمجھنا چاہئے، اور اس کی حکومت کے تمام واقعات کو انفرادی طریقہ سے نہین بلکہ اسباب کے تسلسل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے، اورنگزیب کا عہد شروع سے آخر تک اکبر اور دارا کے غیر مآل اندیشانہ رویہ کے ردِعمل سے بھرا ہے" (ص ۵۶)

انہی تاثرات کے ساتھ جانشینی کی جنگ ہوئی، اورنگ زیب جانتا تھا کہ اگر میدانِ جنگ اس کے ہاتھون نہین رہا تو اس کا حشر وہی ہوگا جو ہمایون، اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے حریفون کا ہوا، مسلمان خوفزدہ تھے کہ اگر دارا فتحیاب ہوا تو معلوم نہین اس کے مذہبی اعتقادات ان کو کس قعرِ ذلت مین گرائین گے، حقیقت مین یہ جنگ وہ تھی جس کے نتیجہ پر دو منفرد حریفون کی قسمت کا نہین بلکہ دو قومون کی سیاسی زندگی اور ملکی وقار کا فیصلہ تھا، لیکن اورنگزیب فاتح ہوا اور دارا مفتوح اور مقتول، ہندوؤن کے تمام منصوبے خواب پریشان ہو کر رہ گئے،"

یہین سے ہندو اورنگ زیب سے بدظن ہوتے ہین، اس کے تمام افعال و اعمال کو مشکوک نگاہون سے دیکھتے ہین اور اس پر ہر قسم کے الزامات کو وضع کرنا جائز قرار دیتے ہین، اس انتقامی جذبہ مین وہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے مذہب کی بھی بدترین تصویر کھینچتے ہین، فاروقی صاحب نے تیسرے باب مین اسلام کا اصلی مرقع پیش کرکے اورنگزیب کا رویہ ہندوؤن کے ساتھ دکھانے کی کوشش کی ہے، اورنگ زیب پر الزام ہے کہ وہ ہندوؤن کی پرستش گاہون کو منہدم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا، مگر فاضل مؤلف نے مختلف فرامین کے ذریعہ سے ثابت کیا ہے کہ اورنگزیب ہندو معابد کے تحفظ کے لئے برابر کوشان رہا، ان فرامین کی روشنی مین جو دلائل

براہین چوتھے باب مین درج ہین، ان سے بہت سی غلط فہمیان دور ہو جاتی ہین، ایک فرمان جو اورنگزیب نے بنارس کے حاکم کے نام جاری کیا ہے وہ ملاحظہ ہو،

"ابو الحسن کو جو ہمارے احسانات اور مراعات کا مستحق ہے شاہی عنایات پر اعتماد کرنا چاہئے اور اس کو معلوم ہو کہ ہم اپنی طبیعت کی عمیق مہربانیون اور فطری فیاضیون کے سبب اپنی تمام انتھک قوتین اور مخلصانہ ارادے عوام کی بہبودی اور ہر درجہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ لوگون کے حالات کی ترقی مین مصروف رکھتے ہین، اس لئے اپنی شریعت کے مطابق ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پرانے منادر مسمار نہین کیے جائینگے، لیکن نئے منادر بنانے کی اجازت نہ ہوگی، ہمارے اس انصاف کے زمانہ مین ہمارے اعلیٰ اور مقدس ترین دربار کو اطلاعات موصول ہوئی ہین کہ بعض اشخاص نے بغض اور عناد سے مغلوب ہو کر بنارس کے ہندوون اور پرانے منادر کے بعض برہمن محافظون پر مظالم کئے ہین، اور وہ آیندہ ارادہ رکھتے ہین کہ ان برہمنون کو ان کے عہدون سے نکال دین، اس ارادہ سے اس قوم مین بے چینی پھیلی ہوئی ہے، اس لئے ہمارا شاہی حکم ہے کہ اس فرمان کے پہنچنے کے بعد تم کو آیندہ ہدایت دینی چاہئے کہ کوئی شخص غیر قانونی طریقہ پر برہمنون اور دوسرے ہندو باشندون کے ساتھ بیجا مداخلت یا ان کو تنگ نہ کرے، تاکہ وہ پہلے کی طرح اپنے پیشون پر قائم رہین، اور سکون کیساتھ عبادت مین مشغول رہ کر ہماری خداداد سلطنت کے قیام کے لئے جو برابر رہیگی دعائین کرین، اسکو ایک ضروری بات سمجھو، تاریخ ۱۵ رجادی الثانی ۱۰۶۹ھ"

نئے مندرون کی تعمیر کے امتناعی حکم کے نفاذ کی توجیہہ مؤلف نے اس طرح کی ہے کہ

"آزادی اور رواداری دونون ہم معنی نہین، رواداری مین احتجاج اور ناراضی کا کچھ عنصر شامل ہے، مندرون اور گرجاؤن کی بلا مزاحمت تعمیر آزادی ہے، ان کا انہدام تعدی ہے، لیکن پرانے مندرون کی مرمت کی اجازت اور نئے کی تعمیر کی ممانعت مشروط رواداری ہے، ہمین اقرار ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور پھر بیسیون مسلمان حکمرانون نے نئے مندرون کے بنانے کی اجازت دی، (حاشیہ ۱) لیکن فقہاء متاخرین اس کامل آزادی کے نہین بلکہ مشروط رواداری کے حامی تھے"

اورنگ زیب پر الزام ہے کہ اس نے بنارس کے کرتی باسیورا، بینی مادھو اور وشوانا تھ نامی تین مندرون کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدین بنوائین، پہلے مندر کی جگہ پر جو مسجد بنی وہ عالمگیر کے نام سے منسوب ہوئی، پھر مؤخر الذکر دو مندرون کے کھنڈرون پر جو مسجدین تیار ہوئین ان کا نام علی الترتیب "پنچ گنگا" اور "گیان باپی" ہے، لیکن اس سلسلہ مین مؤلف مذکور کی تحقیقات بصیرت افروز ہین، مذکورۂ بالا پہلی مسجد ۱۰۷۷ھ مین تعمیر ہوئی جیسا کہ اس کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، تمام ہمعصر تاریخون مین سوائے کاشی وشوانا تھ مندر کے انہدام کے جو ۱۰۸۰ھ مین ہوا کسی اور مندر کی تخریب کا ذکر نہین آتا، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اورنگزیب نے کرتی باسیورا کے مندر کو کیون اور کب ڈھایا، اگر اورنگ زیب نے محض تعصب کی بنا پر مندرون کو مسمار کیا تو ایک کو ۱۰۷۷ھ مین اور دوسرے کو ۱۰۸۰ھ مین کیون برباد کیا؟ بینی مادھو نامی مندر کے سلسلہ مین بھی کوئی تحریری شہادت نہین کہ یہ مندر اورنگزیب کے حکم سے گرایا گیا، گنج ارشدی بنارس کے ایک بزرگ کے ملفوظات ہین، اس کتاب مین ۱۵ رجادی الاول ۱۰۷۹ھ کی تاریخ مین درج ہے کہ "کفار نے ایک مسجد کو شہید کیا جو زیر تعمیر تھی، اور معمارون کو زخمی کیا، جب یہ خبر شاہ یسین کو ملی تو وہ منڈیاؤن سے بنارس آئے اور مسلمانون کو جمع کر کے "بتخانہ کلان" کو مسمار کر دیا" یہ واقعہ آگے چل کر بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ملفوظات کے مرتب اخیر مین لکھتے ہین کہ "نور باقون اور مسلمانون نے قریب پانچسو منادر مسمار کئے، وہ بینی مادھو کے مندر کو بھی برباد کرنا چاہتے تھے، لیکن گلیان مسدود تھین اس لئے وہان پہنچ نہ سکے" "بتخانہ کلان" سے مراد وشوانا تھ مندر ہے کیونکہ اگر یہ مندر

---

۱ معارف:- رسول اللہ صلعم سے اس باب مین کوئی شئی نفیاً یا اثباتاً ثابت نہین، صرف حضرت عمرؓ کے معاہدات مین جنکی پوری قانونی حیثیت سمجھی گئی ہو،

اورنگ زیب کے ہاتھون مسمار کیا جاتا تو گنج ارشدی کا مرتب خوش ہوکراس واقعہ کا ضرور اندراج کرتا،
اس کے علاوہ گیانی بانی کی مسجد کے کتبہ سے پتہ چلا ہے کہ یہ مسجد ۱۰۴۸ھ مین تعمیر ہوئی،"ایوان
شریعت" اس کا تاریخی نام ہے، پھر یہ کہنا کہانتک درست ہے کہ وشوانا تھ مندر کو مسمار کرکے جو ۱۰۴۸ھ
تک قائم تھا، گیان بانی کی مسجد تعمیر ہوئی، سجان رائے بنارس کے احوال مین کہین ذکر نہین کرتا ہے،
کہ اورنگزیب نے کسی ایک مندر کو بھی مسمار کیا، کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے مندرون کے مسمار کرنے
کے لئے ایک عمومی حکم جاری کر رکھا تھا، لیکن یہ حکم اگر واقعی جاری ہوا تو مغلیہ سلطنت کے پایہ تخت والی
آگرہ، پھر متھرا اور دکن مین جہان اورنگزیب نے جنگ و جدل مین اپنی بیشتر زندگی گذاری، ہزارون
مندر کیونکر محفوظ رہے،

اس کے بعد مؤلف نے جزیہ پر بحث کی ہے، پہلے نفس جزیہ کے اصول پر مفید بحث کرکے
یہ بتایا ہے کہ اورنگزیب نے یہ ٹیکس محض مالی نقطۂ نظر سے عائد کیا، منو کی اور پھر دوسرے غیر ذمہ دار
مورخون کا خیال ہے کہ جزیہ ہندوون کو قبولِ اسلام کی ترغیب دلانے کی خاطر عائد کیا گیا، لیکن "جزیہ
ہرگز اس خیال سے عائد نہین کیا گیا، کیونکہ وہ ہندو جو حکومت کے ملازم تھے، اس ٹیکس سے بری تھے،
یہ برأت اس اصول کو واضح کرتی ہے، کہ یہ ٹیکس ان کے لئے نہ تھا، جو حکومت کے ملکی اور فوجی محکمون
مین رہ کر اپنے فرائض اداکرکے سلطنت کی خدمت کرتے تھے، ایشور داس کہتا ہے کہ" بادشاہ سلامت نے
ایک حکم جاری کیا، کہ سلطنت کے ملازمین کے علاوہ غیر مسلم مندرجہ ذیل شرح سے جزیہ ادا کرین، امراء،
جن کی آمدنی ۲۵۰۰ ہو ۱۳ روپیہ، طبقۂ متوسط جن کی آمدنی ۲۵۰ ہو ۶ روپیہ ۸ آنے، غربا جو اپنی ضروریات
پوری کرکے ۵۲ روپیہ یا اس سے زیادہ پس انداز کرتے ہون، ۳ روپیہ ۸ آنے ادا کرین"۔ ۔ ۔
جزیہ کبھی ظلم وستم کے ساتھ وصول نہین کیا گیا، غربا جب اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات سے فارغ
ہوکر مذکورۂ بالا رقم پس انداز کرتے تو ان سے جزیہ لیا جاتا، طبقۂ متوسط کو اجازت تھی کہ وہ دو قسط

مین اور غربا چار قسط مین رقم کی ادائی کرین، وہ روپیہ کے علاوہ دوسری شکل مین بھی اس کی ادائی کرسکتے
تھے، اور اگر کوئی چھ مہینے تک بیمار رہتا تو اس سے جزیہ نہ لیا جاتا، یا اگر ایک سال تک حکام کی غفلت
کے علاوہ کسی اور باعث سے یہ وصول نہ ہوتا تو دوسرے سال معاف ہوجاتا" (ص ۱۵۳)

کتاب کے چھٹے باب مین ہندوون کے میلون، تہوارون، درسگاہون اور معاشرتی زندگی
کے متعلقات اور پھر ان کے سلسلہ مین عالمگیری احکام کی حقیقت کا دلچسپ مطالعہ ہے، اورنگزیب پر
الزام ہے کہ اس نے تعصب مذہبی مین ہندوون کے میلے ٹھیلے بند کرادیئے، مگر یہ الزام خافی خان
کی بعض عبارتون کے غلط استدلال سے عائد کیا گیا ہے، لائق مؤلف نے خافی خان کے دو متوازی
اقتباسات نقل کرکے بتایا ہے کہ اورنگزیب نے مذہبی میلوں کو نہین بلکہ ان میلون کے غیر شرعی
محاصل کو بند کیا، طوالت کے خیال سے ہم ان اقتباسات کو نظرانداز کردیتے ہین، ناظرین، کتاب زیر نظر
کے صفحہ ۱۷۰-۱۷۷ ملاحظہ فرمائین، اس کے بعد سجان رائے اور ہملٹن کی شہادتین پیش کی گئی ہین، جن سے
اس عہد مین تہوارون اور میلون کا کثرت سے منعقد ہونا پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے، سجان رائے
کے حوالہ سے بعض تہوارون کے بھی کوائف بیان کئے گئے ہین، جن مین ہر قسم کی رنگینیون اور سرمستیون
کا مظاہرہ ہوتا تھا، اسی طرح اورنگ زیب کے اس الزام کو کہ اس نے ہندوؤن کے تمام مدرسون کو
بند کردیا یہ دکھلا کر رد کیا ہے کہ عالمگیر نے انہی مدارس کو بند کرایا، جن مین ہندو مسلمان بچون کو
اپنے مذہبی علوم سکھلاتے تھے، پھر ساتوین باب مین اس کذب و افترا کو کہ اورنگزیب اسلام کی تبلیغ
مین تشدد اور ظلم کرتا تھا، حقائق کی روشنی مین دکھایا ہے،

آٹھوین باب مین لائق مصنف نے طویل فہرستون کے ذریعہ سے دکھایا ہے کہ اورنگزیب
اور پھر اس کے اسلاف کے زمانہ مین جو تمام نکتہ چینیون اور مسلمانون کی بیجا طرفداریون سے ماورار
سمجھے جاتے ہین، ہندو عہدیدار کتنے تھے، یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ ہفت ہزاری منصب والے

ہندو اکبری عہد مین صرف ایک اور جہانگیر و شاہجہان کے زمانہ مین ایک بھی نہین، لیکن اورنگزیب کی حکومت مین دو تھے، شش ہزاری ہندو اکبر کے زمانہ مین ایک بھی نہین، لیکن اورنگزیب کے عہد مین دو تھے، کیول رام مصنف تذکرۃ الامراکی دی ہوئی فہرستون سے پتہ چلتا ہے کہ عالمگیر کے عہد مین پنجہزاری ہندو منصب دار پانچ، چار ہزاری پانچ، ۳ ½ ہزاری چار، تین ہزاری، تیرہ، ۲ ½ ہزاری پانچ، دو ہزاری سولہ، ۱ ½ ہزاری ستائیس، اور ایک ہزاری پندرہ تھے، ان مختلف فہرستون اور پھر دوسرے واقعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب ہندوون کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے لحاظ سے ہمیشہ بڑھاتا رہا، ہندوون کو اپنی سرکار مین ملازم رکھنے کے سلسلہ مین اس کا خیال تھا، کہ مذہب کو دنیاوی امور کے بیچ میں لانا بے معنی ہے، اور اس قسم کے معاملات مین مذہبی عصبیت کو راہ نہ دینا چاہیئے" (ص ۲۰۲)

اورنگزیب کی فرد قرار داد جرم مین ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی مذہبی راسخ العقیدگی کے جوش مین راجپوتون کی ہمدردی کھو دی، راجپوت تیموری حکومت کے دستِ راست تھے، ان کا الگ ہونا تھا کہ مغلیہ سلطنت مین تزلزل ہونے لگا، راجپوتون کی ناراضی کی وجہ جسونت سنگھ کے لڑکون کے ساتھ برا سلوک قرار دیجاتی ہے، لائق مؤلف نے جسونت سنگھ کے کیرکٹر اور پھر اس کے لڑکون کی جانشینی کے تمام جزوی واقعات پر بحث کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ راجپوتون کے منافقانہ اور غیر مآل اندیشانہ حرکات سے اورنگزیب کو کس قدر اذیت پہنچی، پھر بھی بلند حوصلہ اورنگ زیب نے بقیہ راجپوت قوم سے ویسا ہی سلوک قائم رکھا جیسا کہ ایک مدبر حکمران کو چاہیئے تھا، اگر اورنگزیب نے غدار اور منافق جسونت سنگھ کے لڑکون کو راجہ کا خطاب عطا نہین کیا تو یہی تنہا مثال ہے، لیکن انہی راجپوتون مین جب راجہ بھگونت سنگھ بندیلہ مرا اور اس نے کوئی وارث نہین چھوڑا تو اورنگزیب نے اس خاندان کے افراد کے مشورے سے راجہ ادت سنگھ کو تخت نشین کیا، جگت سنگھ ہاڈا لاولد مرا تو

اورنگ زیب نے اس کی حکومت کی باگ اس کے چچازاد بھائی کشور سنگھ کو دی، جام نگر کا راجہ نرل مرا تو اس کا لڑکا ستر سل گدی پر بیٹھا، نرل کا بھائی کچھ کے راجہ کی مدد سے ستر سل کو قید کر کے خود تخت کا مالک بن بیٹھا، لیکن اورنگزیب نے قطب الدین خان کے نام فوراً فرمان جاری کیا کہ باغیون کو سزا دیجائے اور ستر سل کو اپنی موروثی سلطنت پر قابض کیا جائے، اورنگزیب نے صفدر خان کے منصب کو محض اس لئے کم کر دیا کہ بجاور بھدوریہ کو اس کے دشمنون کے خلاف مدد دی تھی، انہی تعلقات کا نتیجہ تھا کہ دکن کی مہمون مین راجپوت اورنگ زیب کے ساتھ بکثرت شریک رہے، اورنگزیب کے بعد بھی راجپوت مغلون کے قوتِ بازو بنے رہے، اس کی اولاد مین جو جانشینی کی جنگ ہوئی اس مین راجپوت برابر کے شریک تھے، اودے پور کے رانا اودے سنگھ نے بہادر شاہ سے فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کا وعدہ کیا، مہاراجہ اجیت سنگھ والیِ جودھ پور دست بستہ بہادر شاہ کے دربار مین حاضر ہوا، مابعد عہدون مین بھی راجپوت دولت مغلیہ سے وابستہ رہے، اجیت سنگھ اور جے سنگھ تمام کے تمام تیموری دربارین برابر نمایان رہے، اکثر راجپوتون نے مرہٹون کے خلاف مغلون سے امداد حاصل کی، ۱۷۳۵ء مین خان دوران جب دہلی سے مرہٹون کے خلاف جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا تو جے سنگھ (جے پور) ابھے سنگھ (جودھ پور) اور راؤ درجان سال (کوٹہ) اس کی امداد کے لئے فوج لے کر آگے بڑھے،

ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہانتک صحیح ہے کہ اورنگزیب کی حکمت عملی سے راجپوت تیموریون سے اس طرح برگشتہ ہوئے کہ ان کی برگشتگی سلطنت کے زوال کا باعث ہوئی، اس سلسلہ مین مؤلف اپنی دقتِ نظر سے جس نتیجہ پر پہنچے ہین، وہ قابل غور ہے، وہ لکھتے ہین کہ، "اورنگزیب کی وفات کے بعد تخت طاؤس طاقتور اور مدبر بادشاہون سے محروم ہوگیا، بہادر شاہ کے جانشینون مین اتنی صلاحیت نہ تھی کہ ماتحت ریاستون کی خانہ جنگیون اور ریشہ دوانیون کا سدباب کر سکین، جنگ

راجپوتون کا محبوب پیشہ تھا، تخت دہلی کی طوائف الملوکی مین ملک گیری کیسے ممکن تھی، راجپوتون کو اپنی جنگجوئی اور نبرد آزمائی کے جوہر دکھانے کا موقع جاتا رہا، لیکن ان کی جنگجویانہ فطرت کے لئے کچھ مشغلہ چاہئے تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے اپنی تلوارون کو اپنے ہی عزیز و اقارب کی گردنون پر تیز کرنا شروع کیا، حسب معمول وہ تیموری شہنشاہون سے امداد کے طالب ہوتے رہے لیکن وہان بھلا ان کی شنوائی کہان ہو سکتی تھی، حالات نے انہین مجبور کیا کہ وہ اب صرف اپنے گھرون کو محفوظ رکھنے مین مشغول رہین، لہذا تیموری حکومت کی سیاست سے ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی، یہ تیموری سلطنت کیلئے مضر ہوا، لیکن راجپوتون کے لئے اور بھی ہلاکت آفرین ثابت ہوا، راجپوت جو تین صدیون تک ہر جگہ ممتاز اور مقتدر رہے تھے، اب اپنے کو ایک مردہ قوم محسوس کرنے لگے، یہان تک کہ وہ بالکل پس پشت پڑ گئے (ص ۵۷۵) یہ نتیجہ حقیقت اور واقعیت سے خالی نہین،

دسوان اور گیارھوان باب سکھون اور شیعون پر ہے، پھر چار باب مین گولکنڈہ اور بیجاپور کے واقعات پر فاضلانہ تبصرہ ہے، شروع مین گولکنڈہ کے ابتدائی حالات ہین جن مین اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے خلاف یہان کے حکمرانون کی شوریدہ سری اور شورہ پشتی اور سرکشی پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر شاہزادہ اور شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ مین جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان پر مباحث ہین آخر مین مولف نے گولکنڈہ کی تسخیر کے اسباب جو بتائے ہین وہ سننے کے قابل ہین، وہ لکھتے ہین کہ "اکتوبر ۱۶۸۵ء کی صلح اور مارچ ۱۶۸۶ء مین مادنا کے قتل کے بعد اورنگ زیب کو امید تھی کہ ابوالحسن عقل سلیم سے کام لے کر اب مرہٹون کی دوستی اور استعانت سے گریز کریگا، لیکن یہ امید عبث تھی، ہم کو پتہ چلتا ہین کہ صلح کے فوراً ہی بعد ابوالحسن نے ایک کثیر رقم سمبھاجی کو بھیجی، گولکنڈہ کے ہوا خواہ ہر ممکن صورت سے ابوالحسن کو ناخوشگوار نتائج سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے حتی کہ مغل کے شاہی وکیل نے اس خبر کو اورنگزیب سے پوشیدہ رکھا، لیکن اورنگ زیب کو بیرونی ذرائع سے آخر پتہ چل ہی گیا، ابوالحسن بہانہ

کرتا تھا کہ اس کے پاس اب روپیہ نہین ہین، اور عوام کی ہمدردی کو منعطف کرنے کی خاطر اس نے شاہی قاصد سے روپیہ کے بدلے بیگمات کے جسم پر سے زیورات اتار دینے کی درخواست کی، لیکن سمبھاجی کے پاس روپیہ بھیجنے کے لئے کافی روپیہ تھے،

حیدرآباد کی فتح کے سلسلہ مین خافی خان نے اورنگ زیب کی بیجاپور سے گلبرگہ اور پھر یہان سے گولکنڈہ کی روانگی کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ اس اچانک حملہ کے اسباب کو نظر انداز کر گیا ہے، اس سے لازماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اورنگزیب جارحانہ طور پر صلح کے معاہدون سے دست بردار ہو گیا، لیکن شاہی قاصد سعادت خان کے تذکرے مین مصنف مذکور اتفاقی طور پر اس اچانک حملے کا سبب بتا گیا ہے، یعنی مرہٹون کے ساتھ ابوالحسن کی سازش جو قطب شاہی سلطنت کے استیصال کی حقیقی وجہ ہے،

"اورنگ زیب گولکنڈہ کی طرف بڑھا جہان وہ ۱۶۸۷ء کی اخیر جنوری مین پہنچا، گولکنڈہ کا محاصرہ طویل ہو گیا، کیونکہ مغل افسرون مین نفاق پھیلا ہوا تھا، گو ان کی وابستگی شاہی بہبودیون سے تھی لیکن اورنگ زیب کے شیعہ امراء ایک شیعہ سلطنت کے استیصال پر بے حد مغموم تھے، ان کے جذبات فطری تھے، اور انھون نے اس مصیبت کے سدباب کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن گولکنڈہ کے ایام پورے ہو چکے تھے، اورنگ زیب اپنے ارادون مین پختہ اور مستقل تھا، ابوالحسن نے رحم کی درخواست کی لیکن اورنگزیب اپنے عزم سے کیون باز آنے لگا، اس نے ابوالحسن کو لکھا کہ "تمھارے جرائم ناقابل بیان ہین، تم نے اپنا نظام سلطنت ایک کافر (یعنی مادنا) کے سپرد کیا اور پھر اسے سادات، مشائخ اور علماء پر مظالم کرنے مین مدد پہنچائی، شب و روز تم میخواری مین مست رہتے ہو، ہر قسم کی بدمعاشیان تمھارے یہان پھیلی ہوئی ہین، تم کفر و اسلام اور ظلم و انصاف مین مطلق امتیاز نہین رکھتے ہو، تم کفار یعنی مرہٹون کے امداد پہنچانے پر اب تک مصر ہو . . . . تمھارے پاس متعدد فرامین پہنچے، لیکن تم نے سبھون کو نظر انداز کر دیا، پھر تم نے حال ہی مین ایک لاکھ ہون (چار لاکھ روپیے) بدطینت سمبھا کے پاس بھیجا، اپنی ان نازروائیون

سے غافل ہو کر تم دونون جہان کی بہبودیوں کے خواہان ہو تو یہ محض سراب اور دھوکا ہے"

ان حالات مین اگر اورنگزیب نے گولکنڈہ کو تسخیر کیا تو کیا برا کیا؟

اسی طرح عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کرکے کیون اپنے ممالک محروسہ مین شامل کر لیا، اس کا جواب مؤلف کے الفاظ مین یہ ہے:-

"بیجاپور کی اصلی عظمت محمد عادل شاہ متوفی ۱۶۵۶ء کے بعد سے جاتی رہی، علی عادل شاہ دوم نے شروع مین انتظامی صلاحیت کا ثبوت دیا، لیکن آگے چل کر وہ زن و شراب کے مضرت رسان اثر مین آکر برباد ہوگیا، اس کی وفات (۱۶۷۲ء) تک بیجاپور کا اجتماعی وجود قائم تھا، لیکن اس کے بعد طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا، امراء اپنے اقتدار کے لئے برسرپیکار رہنے لگے اور اپنی غیر مناسب خودغرضانہ مطلب برآری کے لئے عادل شاہی سلطنت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے تیار تھے، ظلم اور رشوت ستانی کا دور شروع ہوا، انصاف کا فقدان ہوگیا، بیجاپور کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ کسی کو بھی خواہ وہ ایک شہزادہ ہو یا ادنیٰ کسان، ایک دن بھی اطمینان سے کھانا یا رات کو سونا نصیب نہ ہوا، اس شورانگیز حکومت کے علاوہ سلطنت کی بیرونی حکمت عملی نہایت مضر ثابت ہو رہی تھی، مرہٹے بیجاپور کے حدود سلطنت کو آزادی سے غصب کر رہے تھے، لیکن ان کو روکنے کی کوئی صورت عمل مین نہین لائی جارہی تھی، برخلاف اس کے ان کی خدمات ہمیشہ حاصل کیجاتین، حالانکہ وہ غداری کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نہین پہنچاتے، اہل بیجاپور مغلون سے معاہدے کرتے اور مرہٹون کو امداد نہ پہنچانے کا وعدہ کرتے تھے، لیکن ان کے وعدون مین اصلیت مطلق نہ ہوتی تھی، انھون نے اورنگزیب کو دھوکا دینے کی کوشش کی، لیکن خود دھوکے مین آگئے"

"اہل بیجاپور کے لئے صرف دو چارۂ کار تھے، یا تو وہ علانیہ اور آزادی کے ساتھ سیواجی سے مل کر مجموعی فوجون سے مغل حکومت کو دھمکی دیتے یا پھر خلوص دل سے مغلون کے ساتھ ہو کر مرہٹون کو انکے

مقبوضات سے بے دخل کرنے کی کوشش کرتے، لیکن انھون نے ایک مہلک رویہ اختیار کیا، ظاہراً مغلون سے ملے رہے، لیکن باطناً مرہٹون کو امداد پہنچاتے رہے، مغل سلطنت خطرے مین تھی، مرہٹون کی قوت بڑھ رہی تھی، جب بیجاپور کے امرار نے مغل بادشاہ کے نصائح سے کوئی فائدہ نہین اٹھایا تو سزا ہوش ربا سرعت کے ساتھ نازل ہوئی اور نوجوان سکندر کو اپنے خودغرض اور بدچلن مشیرون اور رویون کی حماقتون کا خمیازہ بھگتنا پڑا" (ص ۳۴۷)

عالمگیر پر یہ اعتراض ہے کہ اگر وہ گولکنڈہ اور بیجاپور کو فتح نہ کرتا تو دکن کی یہ ریاستین مرہٹون کو دبائے ہوئے رہتین، مگر حقائق کی روشنی مین یہ اعتراض کس قدر بے بنیاد ہے، سچ تو یہ ہے کہ جیسا کہ مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حیدرآباد اور بیجاپور کے انتشار و اختلال، ان کی خانہ جنگیون اور امرار کی ریشہ دوانیون کا بس یہی نتیجہ ہوتا کہ دونون ریاستون پر مرہٹون کا علم لہراتا ہوتا، مغلون کیخلاف مل کر ایک مشترک دشمن کو شکست دینے کے بجائے سلاطین دکن نے مرہٹون کی مدد کی، ایسی حالت مین اورنگزیب ان کے استیصال کے لئے کیون آمادہ نہ ہوتا؟

ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ہونہار اور لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "اس بدقسمتی کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ وہی چیز جو تمام حکومتون اور فرمانرواؤن کے لیے طرۂ امتیاز اور تمغاے افتخار ہو، وہی کارروائیان جو سلاطین اور کشورکشاؤن کے حالات مین کارنامے کہے جائین، غریب اورنگزیب کے لئے ذلت و بدنامی، رسوائی و شرمساری کا موجب ہون، رومیون نے قدیم دنیا کے تینون بر اعظمون کے بیشتر حصہ کو اپنے گھوڑون کی ٹاپون سے کچل دیا، لیکن یہ ان کی عظمت و شوکت کا سبب بن گیا، سکندر اعظم نے مقدونیہ سے لیکر پنجاب تک تمام متمدن ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لیکن یہی بربریت اس کی بڑائی کا ذریعہ ہے، دور کیون جایئے خود مغلون کے سب سے زیادہ نیکدل، غیر متعصب وسیع المشرب بادشاہ اکبر نے بہار و بنگال، مالوہ و گجرات اور راجپوتانہ کو ہضم کرکے زبدہ یار کی

مسلم ریاستون پر حملہ کیا اور خاندیس، برار اور احمد نگر وغیرہ پر قبضہ کیا، اس غاصبانہ قبضہ کا صلہ کیا تھا؟ کوئی مخالفانہ تنقید، کوئی غیر منصفانہ فیصلہ نہین، بلکہ اسے اعظم کا خطاب دیا گیا، جہانگیر و شاہجہان نظام شاہی، عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتون سے تمام عمر لڑتے رہے ہین تو مورخون کے کانون پر جون تک نہین رینگی، لیکن جب اسی نامکمل و ناتمام کام کو اورنگزیب مجبوراً پورا کرتا ہے تو اُسے ظالم، غاصب، غیر سیاست دان اور متعصب کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔" (مقدمہ رقعات عالمگیر نوشتہ سید نجیب اشرف ندوی ام اے دار المصنفین اعظم گڈھ)

سترھوان اور اٹھارھوان باب مرہٹون پر ہے، ان دو ابواب مین تاریخی حقائق سے ثابت کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب اور مرہٹون مین سے کون غالب اور کون مغلوب رہا، اس سلسلہ مین جو چیز زیادہ دلچسپ نظر آتی ہے وہ سیواجی کے متعلق مؤلف موصوف کی رائے ہے، وہ لکھتے ہین کہ

"اس دن سے جب کہ سیواجی نے ایک سترہ برس کے لڑکے کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا، اور اپنے مرنے کے آخری روز تک جب کہ وہ ایک وسیع مملکت اور مستحکم قلعون کا بلا شرکت غیرے مالک تھا، اس نے اپنے دوست اور دشمن کے تصورات کو یکسان طور پر ورطۂ حیرت مین ڈال رکھا تھا، وہ طاقتور ہمسایون سے گھرا ہوا تھا، لیکن اس نے پہلے احتیاط اور ہوشمندی سے ایسا کام لیا کہ انہین اس کی ذات سے مطلق خطرہ کا احساس پیدا نہین ہوا، لیکن جب وہ ناقابل تسخیر قلعون کا مالک بن بیٹھا تو پھر اپنی بڑھتی ہوئی قوت کی بنا پر اپنی اہمیت دکھانے لگا، چالاکی اور ڈپلومیسی مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا، پھر اہم مواقع کی پیچیدگیون سے کبھی پراگندہ خاطر نہین ہوتا تھا، وہ اپنی ہر ضرورت کے لئے ایسے شاندار ذرائع پیدا کر سکتا تھا کہ غنیم بھی اس کی مداحی مین رطب اللسان ہو جاتے تھے، جب کبھی وہ کوئی تدبیر سوچتا تو اپنی حیرت انگیز چالاکی سے اس کو عملی جامہ اس خوبی سے پہنا دیتا تھا کہ اغیار کی تمام پیشقدمی یونہی مذبذب پڑی رہتی تھی، وہ بجلی کی طرح آتا اور گذر جاتا تھا، اس کی آمدورفت مین اتنی حیرت انگیز

سرعت ہوتی کہ لوگ قبل اس کے کہ اس کی آمد کے اثرات سے سنبھلین وہ غارتگری کا صرف منظر پیچھے چھوڑ کر بیسیون میل آگے بڑھ جاتا، اس کو اپنے دشمنون کے کمزور پہلو سے واقفیت حاصل کرنے مین مہارت تامہ تھی، وہ اپنے غنیمون کی طبیعتون اور دلچسپیون سے اس طرح کی واقفیت بھی رکھتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے انہین پسپا کرنے مین اسے کچھ بھی دقت محسوس نہ ہوتی تھی، اسکو لڑائی مین نمائشی اجزاء کی عملیت کا کافی احساس تھا، اس لئے اس کا شایستہ خان پر حملہ کسی اہم مقصد کی تکمیل کے لئے نہین بلکہ محض ہیبت طاری کرنے کے لئے تھا، وہ ایک TOWERING شخصیت کا آدمی تھا، ایک ابلق گھوڑے پر بیٹھکر اپنے ہاتھ مین ایک لمبی تلوار لے کر نہ صرف اپنی اطاعت تسلیم کراتا، بلکہ لوگون سے غیر متزلزل وفاداری اور کمال نیاز حاصل کرتا، دلیری اور جوانمردی مین اس کے مدمقابل بہت کم لوگ تھے، اس کا غیر متزلزل استقلال، ناقابل شکست ہمت، اسکی اعلی امتیازی قوت، اس کی ذہنی سرگرمی کی فوقیت اور تدابیر کی تکمیل مین ناقابل یقین کارنامے ہم سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہین رہ سکتے"۔

اس کی ذات کی بدولت مرہٹون نے تمناؤں اور امیدون کی پرورش کی، اور اپنے خواب و خیال کے اجزا تیار کئے، اس نے ہندوستان کی تاریخ مین ایک جدید عہد پیدا کیا، اور اپنی قوم کی قسمت بدل دی، سیواجی کی زندگی واقعۃً ایک رزم تھی" ص ۳۶۷،

ممکن ہے کہ مؤلف کی اس رائے سے بعض اہل نظر متفق نہ ہون، لیکن ایک مورخ کا فرض ہے کہ وہ تاریخ کی ایک شخصیت کے روشن پہلو کو نظر انداز نہ کرے خواہ اس کی زندگی ناخوشگوار واقعات سے کیون نہ مملو ہو

اگلے چار بابون مین ملکی نظام اور سیاسی و معاشرتی حالات کا دلچسپ، مفید اور پر از معلومات مطالعہ ہے، تئیسوان (۲۳) باب اورنگ زیب کے ذاتی حالات پر ہے، جس مین اس کی ایام شاہزادگی، تعلیم و تربیت، متاہل زندگی، سیرت، انفرادیت، ہمت، استقلال، احساس فرائض، انصاف، افتاد طبیعت اور عمال حکومت

کے ساتھ اس کے برتاؤ پر تبصرہ ہے، ان تمام باتون پر ناقدانہ نظر ڈال کر فاضل موصوف جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ دیرینہ کامیابیوں اور ناکامیوں کی صدائے بازگشت مفقود ہوگئی ہے، اور ایک نئی د[illegible] ظور مین آگئی ہے، لیکن اورنگ زیب کی یاد مسلمانون کے دلوں میں اب تک قائم ہے، اور ایک عظیم [illegible] انسان کی حیثیت سے وہ غیر فانی ہے "

اقبال نے خوب کہا ہے،

کور ذوقاں داستانہا ساختند　　وسعتِ ادراکِ او نشناختند

درصفِ شاہنشہاں یکتا ستے　　فقرِ او از ترکشش پیدا ستے

تتمہ میں مؤلف نے اورنگزیب کے عہد کے تمام واقعات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے تیموری سلطنت کے زوال کے اصلی اور حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی ہے، جن بلیغ سطرون پر کتاب ختم کی گئی ہے، وہ قابل [illegible] "مغل اب باقی نہیں رہے، ان کے پرچم دہلی کے لال قلعہ کے برجوں پر اب نہین لہرائین گے تختِ طاؤس کی درخشانی سے دیوان عام کا شاندار کمرہ حسین نظر نہیں آیگا، اس کی مرصع دیوارون مین جن سے اب صرف خالی الذہن منظر بیں سیاحوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، بادشاہوں کی صدائین نہین گونجینگی، دنیا عظیم الشان مغلوں کی شان وشکوہ اور جاہ وجلال کو نہیں دیکھیگی، لیکن آیندہ نسلین جب ان کے تمدنی اثرات، ان کے قوانین کی یکسانی، ان کی بدولت علم وادب کی ترقی، ان کے عہد کی اقتصادی بے نیازی پر غور کرینگی تو معلوم ہوگا کہ ان کے قبل ہندوستان کے غربا کے تحفظ، تجارت وزراعت کے فروغ، امن وامان کے قرار، اور عوام کے آرام وآسایش کی خاطر ایسی منظم اور سرگرم کوششین نہیں کی گئین مغل حکومت کے آثار صرف دفترِ پارینہ میں محفوظ نہیں، بلکہ موجودہ عہد کے فرہنگ میں واضح طور پر پائے جا[illegible] ہین، ہمارے مالی اور عدالتی محکموں میں ایسے بکثرت اصطلاحات مروج ہیں، جو پرانے نظام کے اثرات کی یاد تازہ کرتے ہیں، اگرچہ باقیات الصالحات خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن گذشتہ عہد کی فراوانی اور تنوع کی تعبیر کوئی از[illegible]

کیونکر کرسکتا ہے، ہم نے اپنی آنکھون پر زور دیا کہ ہم مغلوں کے جہاز کو مع اس کے سردار اور جہاز رانوں کے بحری موجوں سے گذرتے ہوئے دیکھیں اور اپنے ناظرین کو اس کا منظر دکھائین، لیکن یہ کام ہمارے بس سے باہر ثابت ہوا، ساحل پر جب وقت کا جہاز اپنے تباہ شدہ اجزا چھوڑ جاتا ہے، تو ہم ٹوٹے پھوٹے تختوں اور لکڑیوں کو جمع کرلیتے ہیں، جن پر بحثیں کی جاسکتی ہیں، اگر ان میں زیادہ تر قیاس آرائیاں ہوتی ہیں لیکن وہ عظیم جہاز جو عمق میں غرق ہوگیا گیا تھا، اس کو ہم پھر کبھی نہیں دیکھین گے "

آخر میں ایک بار پھر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مؤلف نے جس وسعتِ نظر، تلاش وجستجو اور تفحص وتجسس سے کام لے کر ایک دیرینہ ضرورت کو پورا کیا ہے، وہ ہر لحاظ سے مدح وستایش کے قابل ہے سچ تو یہ ہے کہ اورنگزیب کی ذات پر جادو ناتھ سرکار کی زہر چکانیون کے بعد ظہیر الدین فاروقی صاحب کی یہ کتاب تریاق کا کام کرے گی، اس لئے ہندوستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ ذوق اور طلبہ کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے،

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط ورقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ضخامت ۴۰۷ صفحے، قیمت : للعہ

"منیجر"

عربوں کا علمِ کائنات

از

جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

(۲)

عربی علم ادب میں عرب جغرافیہ نگاروں کے ساتھ ساتھ ماہرین علم کائنات ہوئے ہیں، جنھیں حقیقت میں تشریحی جغرافیہ کا ماہر کہنا بجا ہوگا، یہ لوگ ایسے مخزن العلوم تھے، کہ وہ نہ صرف زمین کی حالت اور اس کے ممالک کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ تمام کائنات اور اسکی مختلف النوع حالتوں کو بھی بیان کرتے ہیں، وہ علم کلام، فلسفہ اور فطرت کے ماہر بھی ہیں، اور جغرافیہ نگار بھی، انھیں ہر شے سے انس ہے، اور وہ اس کی جستجو میں رہتے ہیں، اور بالآخر حاصل کر لیتے ہیں، ان کی تصانیف کیا ہیں، مجموعۂ عجائب ہیں، شاید اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ ان کتابوں کی علمی حیثیت بہت کمزور ہے، نہیں یہ بات ان پر ہمیشہ صادق نہیں آتی، انکی تصانیف میں ان تمام افسانوں اور حکایات کے ساتھ ساتھ ایسا مفید علمی مواد بھی ہے، جو ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ یہ عجائب ایسے واقعات پر مبنی ہوتے ہیں، جنکے یا تو مشاہدے کی تکمیل نہ ہو سکی ہو، یا ان کے بیان کرنے میں کچھ فرق پڑ گیا ہو، علاوہ بریں یہ تمام کتابیں عام دلچسپیوں کا مجموعہ ہیں،

قزوینی، علم کائنات پر لکھنے والوں میں سب سے مشہور قزوینی اور دمشقی ہیں، قزوینی واسط اور حلہ کا قاضی تھا، اوس نے ۶۸۲ھ میں وفات پائی، اس کی کتاب کو وستنفلڈ نے شائع کیا ہے، اس کے

دو بڑے حصّے ہیں، ایک میں اس نے کائنات کے عجائب کا ذکر کیا ہے، اور اس میں مشہور ستاروں، آسمان کے نگران فرشتوں کا ذکر اور ان میں سے بعض کا حال تفصیل سے لکھا ہے، علاوہ بریں اس حصّے میں دنوں مہینوں اور دوسری مشہور چیزوں کا ذکر ہے، اس کے بعد وہ حصّہ ہے، جسے صحیح مفہوم میں علم الارض کہنا چاہئے، اس میں سمندروں کا بیان بھی شامل ہے، سمندروں کے ذکر کیساتھ جزائر اور وہاں کے حیوانات کے حالات بھی درج کئے ہیں، سمندروں کے بعد پہاڑوں کا بیان ہے، جسے وہ ترتیب ابجد کے لحاظ سے لیتا ہے، پھر دریاؤں چشموں اور دیگر ذرائع آب کا حال اسی ترتیب سے لکھا ہے، کتاب کے اس جغرافی حصّے کے بعد معدنیات کا بیان ہے، جس میں ارسطو کا ذکر بار بار آیا ہے، بعد ازیں نباتات کو لیا ہے، جنکی تفصیل بہت وسیع ہے، پھر علم تشریح الاعضاء کی باری آتی ہے، جس میں انسان کے جسم کے ہر عضو پر علیحدہ علیحدہ مقالہ تحریر کیا ہے، ازاں بعد نفس انسانی اور اوسکی مختلف کیفیات و واردات کی توضیح فلسفیانہ رنگ میں کی ہے، آخر میں حیوانات کا بیان ہے، اور اسی پر پہلے حصّے کا خاتمہ ہو جاتا ہے،

دوسرا حصّہ بھی پہلے حصّہ کی طرح ضخیم ہے، اس میں مختلف ممالک کا حال آب و ہوا کے اعتبار سے ترتیب ابجد میں ہو جو بحیثیت مجموعی یہ کتاب اپنے وقت میں نہایت قابل قدر ہے، اور اس عہد میں جب کہ یہ لکھی گئی، مغرب کی کوئی کتاب اس موضوع پر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پڑھنے میں نہایت دلچسپ ہے، اس نے مشرق میں خاصی کامیابی حاصل کی ہے، اسکے تراجم، فارسی، عثمانی، اور ترکی زبانوں میں ہو گئے ہیں، جو بہت مشہور ہیں،

دمشقی، اس موضوع پر دمشقی کی کتاب اگرچہ کم اہمیت رکھتی ہے، تاہم دلچسپ ضرور ہے، اس کتاب کو مہرن نے شائع کیا ہے، اس کی ابتدا میں علم الارض کے متعلق عام خیالات کا اظہار ہے، پھر معدنیات اور قدیم مندروں، دریاؤں، چشموں، پہاڑوں اور سمندروں کا ذکر ہے، اسکے بعد مختلف ممالک کا حال درج

کیا ہے، معدنیات کا حصہ بالخصوص قابلِ قدر ہے،

دمشقی ربوہ کا امام تھا، جو دمشق کے گرد و نواح میں ایک گاؤن ہے، اس کی وفات [illegible] میں کوہ تابور کے قریب صفاد میں ہوئی، قمری سال کے حساب سے اُسکی عمر ۷۳ سال[1] کی تھی،

ریت اور پہاڑون کی تولید وتکوین،

اس کتاب کے دونوں حصوں کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، جن میں اس نے ریت اور پہاڑون کی تولید وتکوین پر بحث کی ہے، وہ لکھتا ہے،:-

علمائے اس بارے میں لکھا ہے، کہ سطحِ ارض پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے ہونے کی وجہ وہ زلزلے ہیں، جو وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں، ان زلزلوں کا باعث یہ ہوتا ہے، کہ زمین کے نیچے جو ہوا ہوتی ہے، جب تموّج میں آتی ہے، تو زمین کے بعض حصّون کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے، اس کی شہادت میں ایک واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے، جو ۲۳۰ھ میں وقوع پذیر ہوا، اس سال دمشق میں بارش کم ہوئی، اور چشمے سوکھنے لگے، یہان تک گرمی کے موسم میں خدائے عزوجل نے زلزلہ بھیجا، جس سے چشمے جاری ہوگئے، اور نہرون میں گھٹا اور چوگنا پانی بہنے لگا، اور اس بات کا ثبوت کہ تیز ہوا جب زمین پر چلتی ہے، تو اس سے روئے زمین پر بعض حصّوں کی خاک اڑا اڑا کر ان کو تبدیل کر دیتی ہے، یہ ہے کہ ۶۱۹ھ ہجری میں ہوا کے زور سے جبل عقرع پر سے زیتون کا ایک مضبوط درخت اس تودۂ خاک کے ساتھ جہاں وہ اُگا تھا، نکل کر دور فاصلے پر جا ٹھہرا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ اسکی جڑین ایک عرصۂ دراز سے اس جگہ مستحکم ہو چکی ہیں، اور پہاڑ پر کبھی کوئی درخت موجود نہ تھا"

چند سطرون کے بعد دمشقی پھر ایک جگہ ایک مغارہ کا ذکر کرتا ہے، :-

"اور عجائب میں سے شام کے علاقہ میں ایک مغارہ ہے، جس میں سے پانی کی ایک ندی

[1] معارف: یہ صحیح نہیں، دمشقی کی تاریخ ولادت ۳ر شوال [illegible] اور وفات [illegible]

بہتی ہے، اس میں عورت داخل نہیں ہوسکتی جب مرد اندر جاتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین کے اندر چار ہزار فٹ تک پھیلا ہوا ہے، اور اسکے ہر چہار جانب اور اوپر سے پانی نکل رہا ہے، اور جہاں پانی گر رہا ہے، وہان بہت سے پتھر مختلف صورت اور رنگ کے پڑے ہیں، ان میں سے بعض کی ہیئت پھلون کی سی بعض کی انسانی اعضار کی سی ہے بعض حبوب کی شکل کے ہین، ان کے صاف شفاف رنگ سُرخ سیاہ وغیرہ وغیرہ ہین؛"

زلزلے،

دمشقی کے اندازِ تحریر میں خاص سادہ پن پایا جاتا ہے، اور اس سے صحتِ واقعات میں فرق بھی نہیں آتا، قزوینی کا رنگ جداگانہ ہے، دیکھئے وہ زلزلوں کا حال کیسے بیان کرتا ہے، اسکی عبارت میں زمین کی اندرونی حرارت اور بخارات کے تموّج اور شدّت کا ذکر نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ بخارات زمین کے اندر کثرت سے جمع ہوتے رہتے ہیں، جب اوپر کی زمین سخت ہو اور وہ آسانی سے باہر نہ آسکتے ہون، تو اُن کے اُبھرنے سے زمین میں لرزش پیدا ہوتی ہے، اور اس ارتعاش کا نتیجہ زلزلہ ہوتا ہے، اس کی یہ وجہ ہوتی ہے، کہ حرارت کے باعث گرم اجسام مرتعش ہوجاتے ہین،

اصل حقیقت یہ ہے کہ ان بخارات میں جو نمی ہوتی ہے، وہ حرارت کے باعث اجسام کے مختلف مساموں سے خارج ہوتی ہے، اور اس سے اجسام میں لرزش پیدا ہوجاتی ہے، جبتک تمام بخارات خارج نہ ہوجائیں، یہ ارتعاش جاری رہتا ہے، اسکے خارج ہوجانے کے بعد اجسام سکون پذیر ہوجاتے ہین، زلزلے میں زمین کے ارتعاش کی یہی وجہ ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں یہ بخارات جمع ہوگئے ہون، پھٹ جاتا ہے، اور بخارات باہر نکل پڑتے ہیں، کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ یہ بخارات ایسی جگہ پھوٹ پڑتے ہیں، جہاں آبادی ہو، تو اس حالت میں یہ اُس آبادی کو احاطہ کر لیتے ہیں،

بعض اوقات زمین کے اندر کچھ گڑھے ہوتے ہیں، اور جب زمین پھٹتی ہے، تو خدا کی قدرت سے دوبارہ ان گڑھوں میں جا پڑتی ہے، زلزلوں کا ایک باعث یہ بھی سمجھا جاتا ہے، کہ پہاڑوں کے کچھ حصے زمین پر گرتے ہیں، اور اُسوقت اس زور کا دھما کا ہوتا ہے، جس سے گرد و نواح میں میلوں تک کی زمین کانپ اٹھتی ہے، باقی اللہ بہتر جاننے والا ہے، (واللہ اعلم)

چٹانوں کی تکوین، اس موضوع کا بقیہ حصہ بھی بہت دلچسپ ہے، اس میں پہاڑوں کے پھٹنے، دوبارہ بننے کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے، اور ساتھ ہی ہموار وادیوں کی قدرتی ساخت پر اظہار خیالات کیا ہے، پھر دکھایا ہے کہ ہموار وادیاں کیسے پہاڑوں براعظموں اور سمندروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح اُس کے برعکس کیسے عمل ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں چٹانوں کی تکوین کے متعلق کہتا ہے:-

"کہا جاتا ہے کہ آب و گل کی آمیزش کے بعد جب اس پر دیر تک سورج کی گرمی پڑتی رہتی ہے، تو وہ پتھر بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آگ کی حرارت سے اینٹیں بنا لیتے ہیں، خشت بھی ایک قسم کا پتھر ہے، اگرچہ اس میں اتنی پختگی نہیں آتی، جسقدر حرارت کا اثر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ پتھر کے قریب تر ہوتی جائے گی، چنانچہ اسی عمل کے ماتحت چٹانیں معرض وجود میں آتی ہیں، اب رہا یہ سوال کہ ان میں نشیب و فراز کیسے پیدا ہو جاتا ہے، تو اسکی وجہ بھی زلزلہ ہے جس سے زمین کے بعض حصے دب جاتے ہیں، اور بعض اُبھر آتے ہیں، اسی سلسلہ میں یہ بلند حصہ زمین سورج کی پیہم حرارت سے سخت ہو کر پتھر کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اس نشیب و فراز کی ایک وجہ شدید ہوا کا عمل بھی ہو سکتا ہے، جو زمین کے مختلف طبقوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینک آتی ہے، اور جگہ کو ناہموار کر دیتی ہے، اسکے بعد زمین کے بلند طبقے سخت ہو کر چٹانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں،

اعتدال لیل و نہار، اس موقع پر قزوینی اعتدال لیل و نہار، اور اُس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"بطلیموس کا خیال ہے کہ ہر ۳۶۰۰۰ سال کے بعد سیارے منطقۃ بروج کو طے کر لیتے ہیں، جب اس نظام میں فرق آجائے، تو ستارے بھی اپنا رُخ بدل دیتے ہیں، اور ان کی شعاعیں ایک دوسری ہی انداز سے زمین پر پڑتی ہیں، دن اور رات کی طوالت میں فرق آجاتا ہے، اور موسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، آبادیاں ویرانے اور ویرانے آبادیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں"

ستاروں کا اثر ہیئتِ ارض پر، قزوینی کا یہ بھی خیال ہے کہ ستارے سطحِ ارض کی ہیئت کو متغیر کر سکتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"پہاڑوں کی سطح اس واسطے صاف اور ہموار ہو جاتی ہے کہ سورج، چاند، اور ستاروں کی شعاعیں پیہم ان پر پڑتی رہتی ہیں، ان شعاعوں کے اثر سے پہاڑوں کی نمی بخارات کی صورت میں خارج ہوتی رہتی ہے، اور پہاڑ خشک ہو جاتے ہیں، ان کی چوٹیاں اوپر سے پھٹ جاتی ہیں، اور پتھروں اور ریتوں میں ظاہر ہوتی ہیں، پانی ان پتھروں اور ریت کو بہا کر اور دامنِ کوہ میں لا کر وادیوں اور دریاؤں کی تہ میں ڈال دیتا ہے، پانی کا بہاؤ ان چیزوں کو وہاں سے بہا کر جھیلوں میں ڈال آتا ہے، وہاں جا کر یہ چیزیں تہ میں بیٹھ جاتی ہیں، یہاں تک کہ ایک طبق کے اوپر دوسرا طبق قائم ہو جاتا ہے، بالآخر ان کی صورت بھی وہی ہو جاتی ہے، جو ہوا سے بنے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم پتھروں کو توڑ کر دیکھیں تو ان کے اندر مونگے، ہڈیاں پائی جاتی ہیں کیونکہ جس مٹی سے وہ بنے تھے، اُن میں یہ چیزیں موجود تھیں، پہاڑوں میں بھی جو طبقات

نظر آتے ہیں، انکی وجہ بھی یہی ہے؛

علم ارض کے ان ماہرین کے یہاں بعض ایسی باتین موجود ہیں، کہ وہ تاریخ علوم کیلئے بے حد مفید ہیں، شہروں اور ملکوں کے حالات لکھتے وقت وہ بعض ایسی دلچسپ تفصیلات بیان کرجاتے ہین، جو تاریخی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہین،

دیوانِ شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۸)

مولانا روم کی غزلیات کی خصوصیات

محاسن و معائب

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم ‌‌ ‌‌ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(رومی)

ایران میں شاعری کا آغاز قصیدہ گوئی سے ہوا، اسکے قدردان "اہلِ دل" نہیں بلکہ اہلِ زر اور "صاحبِ امارت" تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ گوئی ذریعۂ معاش بن گئی، اس میں جوشِ دل، صداقتِ احساس اور جذبات کی ترجمانی کو بہت کم دخل تھا،

قصیدہ کا لازمی جزو تشبیب ہے، اور یہی غزل کی بنیاد ثابت ہوئی، ادھر توجہ ہوئی، تو بعض باکمال قصیدہ گو شعرا نے غزل سرائی کی، لیکن وہ عندلیب گلشن نہ ثابت ہوسکے، ان کے دلوں پر عشق کی چوٹ نہ تھی، ان کے جگر میں زخمِ محبت نہ تھا، انوری، خاقانی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ کی غزلیات اثر دل آویزی اور گرمیِ جذبات سے خالی ہیں، زمانہ کا رنگ بدلا، مغلوں کے حملوں نے قصیدہ کے ان قدردان درباروں کا خاتمہ کردیا، قصیدہ گوئی کا بازار سرد ہوگیا، اور فطری شعرا جوشِ طبیعت کے تقاضے سے اپنے جذبات کی بے لوث ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے، تو اصنافِ سخن میں سے غزل "زبانِ حال" قرار پا گئی،

غزل کی خوش قسمتی ہے، کہ شیخ سعدی نے یہ نغمہ کچھ ایسی دلآویزی سے چھیڑا، کہ ہر زندہ دل اس
مسحور ہوگیا، خسرو اور حسن دہلوی نے تو اسے بوتا جادو بنا دیا، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے، کہ جن اہل
دل اور اہل زبان بزرگون نے فارسی غزل کو غزل بنایا، ان میں عارف رومی کا خاص مرتبہ ہے، اور و
ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، غزل کی معنوی بلندی بادۂ تصوف ہی کی منت پذیر ہے، مولینا نے غزل کو
نغمۂ حقیقت بنانے میں بڑا کام کیا ہے، بیشک غزل گوئی میں حسن ادا، پیرایۂ بیان، جدت اسلوب اور
رنگینی کلام کے اعتبار سے مولینا سعدی، عراقی، خسرو، اور حسن دہلوی کے ہم پایہ نہیں، لیکن تخیل کی بلند
جوش بیان اور حقائق کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے، اگر ان کے کلام کے صرف بہتر
حصہ پر نظر کی جائے، تو ان کی جگہ صف اول ہی میں ہوگی،

جذبات نگاری اور اصلیت

شعر کا اصلی سرمایہ احساس قلب اور جذبۂ باطن ہے، یہی جذبات نگاری او
کلام کی اصلیت ہے،

گرمئ افکار ما از نار اوست — آفرین جاں دمیدن کار اوست

یہ نہ ہو تو اشعار منافق کی مدح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، شیخ سعدی سے پہلے جن شعرا
نے غزلیں کہیں، تقریباً ان کا کلام "زبان بے دل" ہے
وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں، انکے سینوں کے اندر آتش الفت کا پتہ نہیں، صرف حسن سخن
کیلئے انھوں نے عشق کی ترجمانی شروع کی،
لیکن جب درد دل رکھنے والے شعرا نے غزل سرائی کی، تو وہ تاثیر اور سوز دل کا
سرمایہ بن گئی،
صوفی شعرا میں شدت اخلاص اور صداقت احساس کے باعث اس جذبہ کی گرمی او
اس آگ کی تیزی ناقابل بیان ہوگئی، اسی لئے سعدی، خسرو، حسن، عراقی، اور حافظ کے کلام کا "سوز

"جذبات نگاری" ہے،
مولینا روم کا دل فطرۃً امین عشق واقع ہوا تھا، وہ فطری شاعر تھے، اگرچہ ایک مدت تک مولویانہ
مذہبیت اور وطن کے ماحول کے باعث شعر گوئی سے پرہیز کرتے رہے، لیکن جب شمس تبریز سے ملاقات
ہوئی، تو ایک ہی نظر میں مولینا نے عقل و ہوش کو خیرباد کہا، انکی حکمت اور نکتہ دانی "جنون عشق"
سے بدل گئی، آخر کار یہ حال ہوا، ع

"دل خود کام را از عشق خوں کرد"

آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را،

مولینا کی دل کی چھپی اور دبی ہوئی چنگاریاں کچھ ایسی بے پناہ آتش شوق کی صورت میں
بھڑک اٹھیں، کہ بجھائے نہ بجھتی تھیں، جذبات محبت نے طوفان کی صورت اختیار کی، مولینا نے
جان و دل کے تقاضے سے مجلس سماع آراستہ کی، اس میں دوسروں کی نظمیں کماحقہ ترجمانی حال
کا کام نہ دے سکتی تھیں، محفل سماع کے لئے مولینا خود غزل لکھنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اصلیت
سے معمور ہے، اور سراپا جذبات دل کی سچی تصویر ہے، اسی لئے جذبات نگاری جو فن شاعری
کا جزو اعظم ہے، مولینا کے کلام کی اولین اور اہم ترین خصوصیت ہے، ان کے اشعار بہانہ جو کے آنسو
نہیں ہیں، بلکہ ان کا سینہ سوز باطن سے معمور ہے، ان کے دل پر عشق کے داغ ہیں، جو کچھ کہتے ہیں،
آپ بیتی ہے، ان کی غزل دل کی زبان ہے، ان کے کلام میں ذوق سخن نے گفتار محبت کا
پیرایہ اختیار کیا ہے،
صاحب مناقب العارفین نے جذبات نگاری کے متعلق مولینا کا ایک قول نقل کیا ہے،
"مجرائے سخن سہ گونہ است، یکم از نفس روان می شود، دویم از عقل، سیوم از عشق،
ہمانا کہ سخن نفس مکدر است و بے مزہ کہ نہ گوئندہ را ذوق است نہ شنوندہ را فائدہ،

دوم سخن عقل است و آن مقبول عقل است، و بیندۂ فوائد کہ ہم شنوندہ را پر ذوق کند و ہم گویندہ را، سیوم سخن عشق است کہ ہم گویندہ را مست کند و شنوندہ را سرخوش گرداند و بطرب آرد"

جذبات نگاری، مولینا کا کلام سخن عشق ہے، اسلیے وہ دلی جذبات کا آئینہ ہے، ان کا کلام اور زندگی ہم آہنگ ہیں، وہ شعرا کی جماعت "یقولون مالایفعلون" سے علحدہ ہیں، اور اس خصوصیت میں مولینا فارسی کے دیگر نامور صوفی غزل گو شعرا کے شریک ہیں،

سوزِ دل کے متعلق فرماتے ہیں :-

عشق شد مہمان ہر دل سوختہ — جان و دل از بہر او قربان کنم

ایک مست الست کی حیثیت سے اپنے انجام کا نقشہ کھینچتے ہیں،

بپیش پیر مے خانہ بمیرم — زہے مرگ و زہے برگ و سرانجام

مطلوب اور محبوب کیساتھ وابستگی، اور وارفتگی کا بیان ہے،

ہر کہ بیند رخ تو جانب گلشن نرود — ہر کہ داند لب تو قصۂ ساغر نہ کند

مولینا بادۂ محبت سے مخمور ہیں،

مخمور توام بدست من دہ — آن جام شراب کوثرے را

عاشق میدانِ طلب میں، رفیقِ راہ کا طالب ہے،

طبیب درد بے درماں کدام ست — رفیق راہ بے پایاں کدام است

شب وصال کی لاجواب تصویر ایک ہی مصرعہ میں کھینچ دی ہے،

ع گل چیدن است امشب مے خوردن است امشب

اضطراب عشق اور انتظار کے جذبات کی کسقدر کامیاب ترجمانی ہے،

قرارے نہ دارد دل و جان ما — کنارے نہ دارد بیابان ما

عشق نے شاعر کے دل و جان میں گھر کر لیا ہے، اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے،

در دل و جاں خانہ کردی عاقبت — ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

دلِ عاشق ہر وقت حضورِ یار کا متمنی ہے،

یک لحظہ ز کوی دوست دوری — در مذہبِ عاشقاں حرام است

عاشق بے تاب شب و روز کوچۂ یار میں چکر لگاتا ہے، لیکن اوس کی یہ آرزو ہے، کہ کسی دن دلدار بھی اسکی گلی میں آجائے، اور اس کوچۂ ویران کو اپنے قدم سے رشکِ بہشت بنا دے،

مخمور و مست گرداں امروز چشم ما را — رشک بہشت گرداں امروز کوے ما را

مولینا پر مستی اور جذب طاری ہے، ایک دیوانگی کی سی حالت ہے، فرماتے ہیں،

اے عاشقاں اے عاشقاں امروز من دیوانہ ام — مست و خراب و بے خبر زان جام و زاں پیمانہ ام

بادِ عشق سے درخواست فرماتے ہیں، کہ اس طرف سے بھی ہو گذرے،

اے باد خوش کہ بر چمن عشق می وزی — بر من گذر کہ مژدۂ ریحانم آرزوست

عاشق شرابِ الفت سے مست و بے خود ہے، اسے سارا عالم مست نظر آتا ہے، اس خوبی سے اسکو بیان کیا ہے، کہ مستی کی ہمہ گیری کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے،

رعد مطرب، برق مشعل، ابر ساقی آب مے — باغ مست و راغ مست و غنچہ مست و خار مست

باوجود اس مستی کے عاشق بے خودی کی تمنا ہے کہ

یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار — رقص چنیں میانۂ میدانم آرزوست

آئینہ میں عکس یار دیکھ چکے ہیں، لیکن ذوقِ دیدار کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا جمالِ جہاں آرا بے پردہ دیکھنا چاہتے ہیں،

عکس در آئینہ اگرچہ نکوست، / لیک ہماں صورتِ زیبا خوش است

جب یہ آرزو خوش بختی سے پوری ہوتی ہے، تو ذوقِ عشق ایسا ہے کہ جان نذر کر دیتے ہیں،

دیدہ از خلق بہ ستم چو جمالش دیدم / منت بخشایشِ او گشتم و جاں بخشیدم

دیکھئے مسرتِ وصال کا اظہار کس انداز میں ہوتا ہے،

چو گل شگفتہ شوم در وصالِ گلرویم / رسد نسیمِ بہارم چہ خوش بود بجدا،

محبوب کے حسن و جمال کا مرتبہ بیان ہوتا ہے،

ز رویت ماہ اختر می تواں کرد، / ز زلفت مشک و عنبر می تواں کرد

یہ سب ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے، ان شعلوں کی علتِ غائی آتشِ عشق ہے جو کسی پانی سے نہیں بجھائی جاسکتی،

باز آمد آں مہے کہ ندیدہ فلک بخواب / آورد آتشے کہ نمیرد بہیچ آب،

میر شراب خانہ چو شد با دلم حریف / خونم شراب گشت ز عشق و جگر کباب

حقایق کی ترجمانی

مولینا کے کلام کی اصلیت کا دوسرا پہلو حقایق کی ترجمانی ہے، مولینا نے اپنے کلام میں بے شمار انفسی اور آفاقی حقایق کی تعبیر اور تفسیر فرمائی ہے، جس سے افراد اور اقوام اپنی زندگی اور تخیل کی تعمیر اور باطنی تربیت میں نہایت گرانمایہ رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں،

ایک حقیقت بین نظر کے لئے اس میں رمز شناسی اور راز دانی کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، یہی بات مولینا کے کلام کی معنوی خصوصیت اور حقیقی قدر و قیمت ہے، شعر گوئی سے مولینا کا منشا بھی تھا کہ حقایق پیرایۂ شعر میں بیان ہو جائیں، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ میخواست کہ حقایق ہمہ مشائخ و مقصود ہمہ عالمانرا در ہر جنسے بیان فرماید، کما قال قدس اللہ سرہ،"

خواہم کہ کفک خونیں از دیگِ جاں برآرم / گفتارِ دو جہان را از یک دہاں برآرم

یہ شعر تو مولینا کا ہے، جس سے اس خصوصیت کے متعلق خود صاحبِ دیوان کے نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے، یہ صفت پورے عروج و کمال پر مثنوی میں ملتی ہے، لیکن دیوان میں بھی نمایاں ہے، مثلاً "سِرّ انا" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

از کنارِ خویش یابم ہر زماں من بوے یار / چوں نگیریم ہر شبے مرخویش را اندر کنار

عشق اور بندگی کے متعلق اظہارِ خیال یوں ہوتا ہے،

دیگراں آزاد سازند بندہ را / عشقِ بندہ می کند آزاد را،

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے، جو اس مطلب و مفہوم کا حامل ہے، کہ عاشقانہ بندگی ہی میں ماسوا سے آزادی نصیب ہو سکتی ہے،:-

عقل گوید شاد شو آزاد شو، / عشق گوید بندہ شو آزاد شو،

(رموز بے خودی)

تخلّق باخلاقِ الٰہیہ کا راز بیان کیا ہے،

درونِ دل سفرے کن اگر خدا طلبی / ز خوئی خود گذرے کن بجوئی خوے خدا

طلب و حصول کا ربط ظاہر کیا ہے،

روزی ز طلبگاری مطلوب بدست آید / گر زاں کہ ترا در دل عشق و طلبی باشد

شادی وصالِ جاں روزی رسد از جاناں / آنرا کہ درونِ دل از عشق غمی باشد

بے رنج دریں ویراں آں گنج کجا یابی / کاں گنج گراں مایہ بے رنج نمی باشد

ترکِ کبر اور عجزِ عبدیت کا کیا حاصل ہے، جواب ملتا ہے،

کبر و تکبر بگذار و بگیر، / در عوض کبر چنیں کبریا،

حقیقتِ تخلیق پر روشنی ڈالی ہے،

هزار صورت بے چوں بامر کن موجود   شدست و میشود اے دل دُ دیدُ راکنا

سلوک الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے،

یک حملۂ مستانہ مردانہ بکردیم،   تا علم بدادیم و بہ معلوم رسیدیم،

باآیت کرسی بسر عرش پریدیم،   تا حی بدو دیدیم و بقیوم رسیدیم،

عاشق علم لدنّی سے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے، ؟

خمش کوتہ کن اے خاطر کہ علم اول و آخر   بیاں کردہ بود عاشق چو پیش شالا باشد

غافل کو جگاتے ہین،

چناں بنہ تو دو چشمت کہ ذرہ را بینی   میان روز نہ بینی تو شمس کبریٰ را

مثنوی میں بھی حق سے غفلت کو موت سے تعبیر فرمایا ہے، :۔

مرگ حاضر غائب از حق بودن است

غرض یہ کہ مولینا کا کلام حقایق کا ایک دریاے بے پایاں ہے،

جوش خیال اور بیان

بیا کہ من زخم بیر رَوم آور دم

مئے سخن کہ جواں تر ز بادہ عنبی است   (اقبال)

مولنا کے خیالات میں جو ہنگامہ و جوشش اور بیان میں جو زور اور وجد پایا جاتا ہے،

اوس کی نظیر کسی اور غزل گو صوفی شاعر کے کلام میں نہیں، یہ صفت مولینا کی غزلیات میں

خاص طور پر نمایان ہے،

تخیل کی پرواز کا یہ عالم ہے کہ آن کی آن میں عالم معنی کی سیر برق رفتاری کیساتھ ہوتی ہے،

قلب میں عشق کی گرمی اور جذبات کا طوفان برپا ہے، اس سے خیالات میں یہ جوش ہی بھر زبان دل کی

ہم آہنگ ہے، جس شدت سے خیال پیدا ہوتا ہے، اسی شدت سے بیان کرتے ہیں،

غزل بانگِ اسرافیل معلوم ہوتی ہو کہ محشر انگیزی پر آمادہ ہے، جوش تخیل اور بیان کے اعتبار سے مولینا

کا کلام شعر کے اس معیار پر پورا پورا اترتا ہی،

نغمہ باید تندرو مانند سیل،   تا برد از دل غمان را خیل خیل،

اصل بات یہ ہے کہ مقامات تصوف کا تعلق قلب اور جذبات سے ہے، مولینا کا قلب اسی عالم

کی سیر میں مصروف تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تخیل کا زور معنی آفرینی میں کمال دکھاتا ہے، تو دوسری

طرف بیان مواج سمندر کے مانند لہریں لے رہا ہے، اس سے کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہو گیا ہی

جو پڑھتا ہے اس طوفان انگیز سمندر کی موجوں کے ساتھ ہو کر بہنے لگتا ہے، جوش کا یہ عالم ہے کہ جس قوت

سے وہ کسی خیال کو ادا کرتے ہیں، اسی قوت سے اسے قبول کرنا بھی آسان نہیں، یہ جوش کسی خاص

خیال یا موقع سے مخصوص نہیں، جس خیال کو ظاہر کرتے ہیں، تو ان کا طبعی جوش اس سے نمایاں ہوتا ہی

مسرت وصال کا ذکر کریں تو دل مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، غم ہجراں کا بیان ہو تو احساس

اضطراب تیز ہو جاتا ہے، بقا کا رنگ اس جوش اور زور سے دکھاتے ہیں، کہ آدمی اپنے آپ کو غیر فانی

محسوس کرنے لگتا ہے، فنا کا عالم دکھانے میں یہ انداز ہے کہ عالم کی ایک ویران کدہ اور فانوس

خیال کے ایک مجموعہ سے زیادہ حقیقت نہیں معلوم ہوتی، جوش خیال اور بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

جس سے یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی،

اے نوبہار عاشقاں داری خبر از یار ما   ای ز تو آبستن چمن وے از تو خنداں باغہا

اگر افلاک نہ باشد بخدا باک نہ باشد   دل غمناک نہ باشد چہ کنی گفت علالا

عاشق کو کس جوش سے مخاطب فرماتے ہیں، :۔

چوں چشم بجوش از دل سنگ،   بشکن تو سبوئے جسم و جاں را،

مردِ خدا کی ہمت و غیرت کا بیان ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب مردِ خدا سیر بود بے کباب

مردِ خدا بحر بود بیکران، مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب

اے چنگ پردہائے سپاہانم آرزوست وے نائے نالۂ خوش و سوزانم آرزوست

ایں ہمرہانِ سُست عناصر دلم گرفت شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

آخری شعر سے مولنا کے رنگِ طبیعت اور جوشِ خیال کا خاص اندازہ ہوتا ہے،

جوشِ عزم ملاحظہ ہو،

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست ما بفلک می رویم عزمِ تماشا کراست

جوشِ عشق کی تصویر کھینچتے ہیں،

گفتم کہ چند خوانی گفتا کہ تا نخوانی گفتا کہ چند جوشی گفتم کہ تا قیامت

مولنا کی ہمت عالی اور قوتِ تسخیر پر نظر کیجئے،

ہمت عالیست در سرہائے ما، از ثرےٰ تا عرشِ اعلیٰ می رویم

دامان اژدہا را بردریدم، جہانِ عیش را آباد کردم،

عہدِ حاضر کے فارسی شعراء میں ڈاکٹر اقبال اس خصوصیت اور مناسبت میں اس پرجوش عارف رومی کے ہمرنگ ہیں، اون کے تخیل میں یہی زور اور بیان میں یہی جوش ہے، خود ان ہی کا بیان ہے،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

مثالاً کلام ملاحظہ ہو،

تا کجا در تہ بالِ دگراں می باشی در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

بشاخ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است تلاشِ چشمۂ حیوان دلیلِ کم طلبی است

خاص مضامین، ہر شاعر اپنی طبیعت اور بلندی مزاج کے مطابق خاص خاص خیالات اور مضامین کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ مضامین اس کے خصوصیات میں گنے جاتے ہیں، اور مہماتِ مضامین کہلاتے ہیں، مولنا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، اور کلام کی معنوی خصوصیات میں بے حد نمایان ہے، وہ چند احساسات اور خیالات کے خاص طور پر دلدادہ ہین، ان کے کلام میں ایسے مضامین مختلف پیرایۂ اسلوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً عشق کی اہمیت اس کے نتائج انسان کی عظمت اور عروجِ انسانی کی راہ عقل و عشق کا مقابلہ، دل کی تربیت اور اس کے طریقے وغیرہ، یہ چند خاص خیالات ہیں، جن کو مولنا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طرح بیان کیا ہے، ہم ایک تسلسل سے ان جملہ مضامین کو بیان کرین گے تاکہ خصوصیاتِ کلام واضح ہو جائین،

از صدائے سخنِ عشق ندیدم خوشتر
یادگاری کہ دریں گنبدِ دوار بماند (حافظ)

عشق اور اسکے تعلقات، مولنا نے عشق، اسکے متعلقات اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں، کہ اگر ان کے دیوان کو "ترانۂ عشق" سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا، ان کی یہ خصوصیت مثنوی مین بھی بیحد نمایان ہے، پر سچ یہ ہے کہ عشق زندگی کی بنیادی حقیقت ہے، اس کا ترانہ زندگی کا سب سے عظیم الشان نغمہ ہے، عشق ہی سے قربانی پیدا ہوتی ہے، عشق کے محل مختلف ہوسکتے ہین، کوئی کسی کے حسنِ عارض کا شیدا ہوتا ہے، ورڈزورتھ کا سا مزاج رکھنے والا شاعر رنگین وادی پر اپنی جان فریفتہ کرتا ہے، کوئی کسی کی تصویر کا عاشق ہوتا ہے، لیکن کسی کا قلب استقدر وسیع اور نظر اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ اپنی نگاہِ محبت کے لئے "حسن ازل" کو تاکتا ہے، کیونکہ عشق کی شان اس کے مقصد کی وسعت و بلندی سے ہے، کامل طور پر وہ عشق کا لذت آشنا ہے، اسلئے اپنے عشق کو ابدیت بخشنا چاہتا ہے، اور یہ ممکن نہیں جبتک اس کا محبوب ابدی نہ ہو،

عشق زندہ در روان و در بصر، ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر،

عشق آں زندہ گزیں کو باقیست از شراب جانفزایت ساقیست،

(مثنوی معنوی)

عشق اور مذہب میں ربط کا یہی محل ہے، جب تک مذہب صحیح معنوں میں ہوتا ہے، یہ اتحاد قائم رہتا ہے جب ذوقِ صحیح فنا ہو جاتا ہے، تو ان دونوں میں افتراق ہو جاتا ہے،

در غلامی عشق و مذہب را فراق انگبینِ زندگانی بد مذاق،

مولینا اسی حلقۂ عشاق میں داخل ہیں، اسلئے انھوں نے عشق پر بے حد زور دیا ہے، اس کی وکالت کا حق ادا کیا ہے، ان کے نزدیک عشق سے مراد "عشق خدائے احسن" ہے،

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

انھوں نے عشق کی اہمیت اثرات اور نتائج کو اسی روشنی میں بیان کیا ہے عشق کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں،

عشق معراج است سوئے بام سلطان ازل از رخ عاشق فرو خواں قصۂ معراج را

عشق ابدی زندگی ہے،

عشق است عاشق است کہ باقیست تا ابد دل بر جز آں منہ کہ بجز مستعار نیست،

عشق جز دولت و ہدایت نیست جز کشادِ دل و عنایت نیست،

عشق ہی خوش نصیبی ہے،

گر ترا بخت یار خواہد بود عشق را با تو کار خواہد بود

عمر بے عشق لاحاصل ہے،

عمر کہ بے عشق رفت ہیچ حسابش مگیر آب حیاتست عشق در دل و جانش پذیر

دگر بیکار گردد چرخ گردون، جہانِ عاشقاں بر کار باشد

ہر کہ در د نیست ازیں عشق رنگ نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

عشق کے بغیر دولت و جاہ سب ہیچ ہے، اور عشق سے مولینا کی اصل مراد کیا ہے،

منصب و ملک از دل بے عشق راست جز کفن اطلس و جز گور نیست،

آن روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست،

عشق ہی قلب کو مطمئن رکھتا ہے،

ہر کہ ز عشاق گریزان شود، عاقبت الامر پریشاں شود،

خانۂ عشق کی بڑی فضیلت ہے،

فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت سلطانِ جہان است و سلیمانِ زمانست

بنی آدم کی بزرگی عشق ہی کے تاجِ کرامت سے ہے،

کہ عشق خلوت جانست طوق کرمنا برائے ملکِ وصال و برائے رفعِ حجاب

عشق کے نتائج کیا ہوں گے، مولینا نے کئی اشعار میں مختلف طریقہ سے اس کا جواب دیا ہے،

غمزۂ عشقت بدان آرد یکے محتاج را کو بیک کہ بر نسنجد ہیچ صاحب تاج را

گلزار کند عشقت آن شورۂ خاکی را دربار کند موجت این چشم سحابے را

کیمیائے کیمیا ساز است عشق، خاک را گنج معانی می کند

عاشق کا دل عرش سے فزوں تر ہے،

بر ہر چہ ہمی ارزی میدان کہ ہمی ارزی زیں روے و دل عاشق از عرش فزون باشد

عشق کی ترقی و تکمیل استقامت میں ہے،

ہم بذوق این درد را درمان کنم ہم بصیر این قصہ را پایان کنم،

(باقی)

تبصرہ و نقد

شکایت

"معارف مئی ۱۹۳۶ء میں تاریخ الحدیث پر جو اظہار خیال کیا گیا تھا، اسکو پڑھکر مصنف کو بجا طور سے ناخوشی ہوئی، اونھون نے اس ناخوشی کا اظہار ذیل کی تحریر میں کیا ہے، اس تحریر کا کوئی جواب شائع نہیں کیا جاتا، اور نہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا اصل مصنف کون ہے، قاضی ظہور الحسن صاحب یا قاضی عبد الصمد صاحب، تاکہ الفاظ کی مزید گرمی طرفین کی سرد مہری کا سبب نہ ہو، رفقائے دار المصنفین کی تصانیف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اسکا جواب "زبانِ خلق" دیگی، "معارف"

معارف مئی ۳۶ء میں تاریخ الحدیث پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس میں یہ سعی کی گئی ہے، کہ کتاب مذکور از اول تا آخر دوسروں کی تالیفات سے ماخوذ ہے،

مصنف کی دیانت اسی سے ثابت ہے کہ اس نے اردو میں تاریخ حدیث کے متعلق جسقدر کتابیں مطالعہ کیں، ان کا بہ تفصیل دیباچہ میں ذکر کر دیا، ان کتب میں سیرۃ النبی وخطبات مدراس، یہ دو کتابیں دار المصنفین کی ہیں، دو مضمون میں معارف سے مدد لی گئی ہے، ان سب کا حوالہ موقع بموقع موجود ہے، لیکن تبصرہ نگار نے اپنی طرف سے لکھدیا کہ اسوۂ صحابہ وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے، صاحب موصوف کے اس علم کا ذریعہ سوائے الہام کے اور کیا ہو سکتا ہے، اگر مصنف نے اسوۂ صحابہ سے مدد لی ہوتی، تو مثل دیگر کتب کے اسکے تذکرہ سے کون امر مانع تھا، ایک دلیل انھوں نے اس کتاب سے اخذ کرنے کے متعلق یہ قائم کی ہے، کہ بعض سرخیاں ان کی کتابوں سے ملتی ہیں، یہ درست ہوگا، لیکن یہ سرخیاں اور فقرات وہ ہیں، جو یہ فقیر اسوقت اپنی تصانیف میں لکھ چکا ہے، جب کہ دار المصنفین کے وجود کا کہیں وہم و گمان بھی

تھا، خاکسار کے اسلاف میں اکثر بزرگ علم اور حدیث کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں، ان کی یادداشتوں کا کثیر ذخیرہ موجود ہے، ۱۸۹۵ء سے اس فقیر نے علم حدیث و فقہ اور حالاتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و بزرگانِ دین میں مضامین وکتب تصنیف کرنی شروع کیں، ہندوستان کے تمام کتب خانوں کو چھان ڈالا، ہندوستان سے باہر بھی کسی قدر کتب بینی کی، تو کیا اسقدر جد وجہد کے بعد بھی یہ سرخیاں اور یہ فقرات لکھنے پر قدرت نہیں ہو سکتی، یا وہ کتابیں جنسے تصنیفاتِ دار المصنفین مرتب کی گئی ہیں، ممبرانِ دار المصنفین کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہیں، یا کوئی ان کو پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا، یا ممبرانِ دار المصنفین کا تعلق براہ راست حدیث جبریل سے ہے، اسلئے ان کے فقرات والفاظ سے توارد بھی ممکن نہیں،

سیرۃ النبی و دیگر تصانیف دار المصنفین میں اس فقیر کے مضامین سابقہ اور علامہ کی تصانیف اور مسٹر سراج الدین کی کتاب الفاروق اور مسٹر محمد علی قادیانی کی تالیفات اور سر سید کی تصانیف کے مسلسل فقرات آئے ہیں، تو کیا ممبرانِ دار المصنفین نے یہ فقرات ان مصنفین کے سرقہ کئے ہیں یا خود لکھے ہیں، اور اگر در حقیقت ایسا ہی ہے، جیسا کہ تبصرہ نگار صاحب کا خیال ہے، تب بھی ایک صاحب ظرف اور عالم کے قلم سے ایسا تبصرہ نکلنا قابلِ افسوس ہے،

تمام اسلامی عقائد و مسائل و تاریخی واقعات کے متعلق عربی میں کافی سے زیادہ ذخیرہ موجود ہے، سب وہیں سے اخذ کرتے ہیں، اور جو جس مسئلہ پر کوئی تصنیف کرتا ہے، وہ مختلف کتب سے مواد فراہم کرکے جمع کرتا ہے، الہام کسی کو نہیں ہوتا، پس اس فقیر کو بھی تاریخ حدیث کے متعلق یہی شرف حاصل ہے، کہ سب سے پہلے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کیا ہے، اور اس شرفِ اولیت کو جناب مولینا سید سلیمان صاحب و دیگر مقتدر علمار نے تسلیم فرمایا ہے، اور تبصرہ نگار صاحب نے بھی دبی زبان سے اسکا اقرار کیا ہے،

راقم :- قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی،

معارف :- ہمارے ذاتی افادہ کے لئے اس قسم کی چند مثالیں بھیجکر ممنون فرمائیے،

تصحیح

مقالہ "عربوں کی جہازرانی پر استدراک"

"عربوں کی جہازرانی پر استدراک" کے عنوان سے معارف کے دو نمبروں (مئی و جون ۳۶ء) میں جو مقالہ شائع ہوا ہے وہ افسوس ہے کہ راقم سطور کی عدم موجودگی میں مصحح معارف اور بعض کارکنوں کی مسامحت سے ایک سے زیادہ مقام پر غلط چھپ گیا ہے، فاضل مقالہ نگار نے ان غلطیوں کی تصحیح بھیجی ہے، جو ذیل میں شکریہ کیساتھ درج کی جاتی ہے،

سب اڈیٹر،

صفحہ ۴۲۰ سطر ۱۱ و ما بعد بجائے مطبوعہ عبارت کے یوں پڑھئے، "مرکوس اپنے ہلکے پن کے باعث پانی لیجانے کیلئے مناسب ہے، اور اس میں ایک سوار دب کے کچھ کم پانی سما سکتا ہے"،

ص ۴۲۵ سطر ۹، صحیح یوں ہے:- "بو وغطی گوش ایدن عربا ندن اللی بیگ آدم"،

ص ۴۰۶ سطر ۹ یوں پڑھئے:- "اور ہجر کے اسباب کی خریداری کرتے ہیں"،

" سطر ۱۳، ۱۵، صحیح یوں ہے، "جو بحرین میں ہے، بازار جمادی الآخرہ کے پہلے دن سے مہینے کے آخر دن تک لگا رہتا ہے، اور ایرانی لوگ اپنا سامان تجارت لے کر......"،

ص ۴۰۰ سطر ۱۱، ۱۲ میں یوں اصلاح ہو:- "اور عطر خلق کو اہل عرب کے سوا کوئی دوسرا عمدہ نہیں بنا سکتا"

ص ۴۰۹ حاشیے کی سطر دوم یوں پڑھئے:- "جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ ترکی زبان میں بھی ہوا"

ص ۴۱۱ سطر ۹، ۱۰ کی غلطیاں سخت ہیں، یہ عبارت اصل میں یوں ہے:- "انکو چھوڑ دو گے تو تم پر ہمیشہ مسلط رہیں گے،--- اور انبار کی بھی مدد نہیں کی، بلکہ غیر جانبدار رہے"،

عربوں کی جہازرانی

قیمت عہ

یعنی مسلمانوں کے فن جہازرانی کی ترقیوں جہازرانی کے کارخانوں اور اسلامی بندرگاہوں کی مکمل تاریخ ۱۹۹ صفحے

تلخیص و تبصرہ

یورپ کیلئے ایک جدید سیاسی فلسفہ کی ضرورت

معارف بابتہ ماہ جون ۳۶ء میں "عقل کے خلاف جدید بغاوت" کے عنوان سے رینے فولپ ملر کے جس مضمون کی تلخیص پیش کی گئی تھی، اس پر پروفیسر مواٹ (R.B. MOWAT) کا ایک مقالہ اپریل ۳۶ء کے ہبرٹ جرنل میں شائع ہوا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے، پروفیسر موصوف بین الاقوامیت کی کامیابی سے متعلق جو امید قائم کر رہے ہیں، اسکی حقیقت امید موہوم سے زیادہ نہیں، اٹلی اور حبش کے معاملہ میں انجمن اقوام کی طرف سے جس خود غرضانہ بے بسی کا مظاہرہ کیا گیا، وہ جدید قومیت کی ہمہ گیری کی ایک واضح اور قطعی دلیل ہے:-

ہبرٹ جرنل کے جنوری نمبر میں رینے فولپ ملر (RENE FULOPMILLER) نے دکھایا تھا کہ انیسویں صدی کی ذہنیت جب لوگ عقل پر عقیدہ رکھتے تھے موجودہ دور کی ذہنیت سے جب دیدہ و دانستہ عقل کی مخالفت کی جا رہی ہے، حیرت انگیز طور پر مختلف تھی، "عقل سے بغاوت" ایک حقیقی امر ہے، تاہم ہو سکتا ہے، کہ موجودہ صورتِ حال تمامتر عقل کی مخالفت کے باعث نہ ہو، بلکہ ایک قدیم نظام کے دفعۃً درہم برہم ہو جانے اور ایک جدید نظام کی فطری تلاش و جستجو کے سبب سے پیدا ہو گئی ہو، ۱۹۱۹ء کی صلح کے بعد کے پندرہ سال یورپ کی تمام قوموں کے لئے شدید مایوسی کے سال ثابت ہوئے، تقریباً وہ تمام امیدیں جن کے بھروسہ پر لوگوں نے جنگ کی مصیبتوں اور قربانیوں کو برداشت

کیا تھا، باطل ہوگئیں، سمجھا جاتا تھا کہ تشدد کی جگہ انصاف قائم ہوگا، کمزور قومیں دنیا میں سلامتی کے ساتھ رہ سکیں گی، منظم آزادی کی نعمت ہر جگہ پھیل جائیگی، تمام آدمیوں کے لئے کام، فرصت، اور معاش کا معقول انتظام ہوجائے گا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سیاسی شورشوں اور کشیدگیوں کا خاتمہ ہوکر ایک طویل مدت کے لئے امن وسکون قائم ہوجائے گا

لیکن ان پندرہ سالوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری مایوسی کا بنیادی سبب یہ ہے، کہ یورپین قوموں اور سنہ ۱۹۱۹ء کے اکثر مدبروں نے آنے والے دور کا غلط اندازہ کیا اور پندرہ برس سے برابر غلط انداز کرتے آرہے ہیں، وہ تغیر اور تبدیلی کے دور کو استقلال کا دور سمجھتے رہے، قومیں جو سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد کے زمانہ سے استقلال کی توقع رکھتی تھیں، محض حرکت اور تبدیلی سے دوچار ہوئیں، اور ان کی ساری امیدیں حیرانی اور مایوسی سے بدل گئیں،

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے یورپ سیاسی حیثیت سے ایک صاف ستھرا اور مرتب مقام تھا، اس کا ایک سیاسی نظام تھا جو بحالت مجموعی ہمواری کیساتھ جاری تھا، یہ نظام چھ بڑی طاقتوں کے غلبہ پر منحصر تھا جو متحدہ طور پر یورپ کے لئے ایک قسم کی مجلس نظامت کی حیثیت رکھتی تھیں، یہ بڑی طاقتیں، برطانیہ عظمیٰ، فرانس، جرمنی، اٹلی، اسٹریا ہنگری، روس۔ یورپ کے ملکی نظام سے کافی طور پر مطمئن تھیں، یہ صحیح ہے کہ سرحدوں کا تعین بہمہ وجوہ بہترین نہ تھا، لیکن عملاً ملکوں کی ضرورتوں کے لئے وہ سرحدیں مناسب ثابت ہوئی تھیں، چھوٹی حکومتیں ملکی توسیعات کے حوصلے دل سے نکال چکی تھیں، اور اب صرف صلح وامن کی خواہاں تھیں، علاوہ بریں سنہ ۱۹۱۴ء سے قبل کے دور میں تمام بڑی اور چھوٹی حکومتوں میں معاشی تعلقات کا ایک نظام قائم تھا، انھیں ایک دوسرے کیساتھ تجارت کرنے میں اصولاً کوئی اعتراض نہ تھا، تجارت نسبتہً آزاد تھی، اس سے سیاسی اور معاشی آویزشیں بہت کچھ دور ہوگئی تھیں،

لیکن سنہ ۱۹۱۸ء کے بعد یورپ کی سیاسی حالت بالکل بدل گئی، اول یہ کہ جنگ عظیم سے قبل کی چھ بڑی طاقتیں باقی نہیں رہیں، آسٹریا ہنگری کی سلطنت جاتی رہی اور روس کا شمار جب تک سنہ ۱۹۳۴ء میں اس نے انجمن اقوام میں شرکت نہیں کی، دول عظمیٰ میں نہیں ہوتا تھا، صرف آسٹریا ہنگری کی سلطنت کے غائب ہوجانے سے یورپ کا اندرونی توازن برباد ہوگیا، اور بالخصوص وسط یورپ کی سیاسی حالت خطرناک طور پر ناقابل اطمینان ہوگئی، دوسرے یہ کہ نہ صرف چھ بڑی طاقتیں باقی نہیں رہیں بلکہ جو رہ بھی گئیں ان کی بھی کوئی متحد حیثیت جیسی سنہ ۱۹۱۴ء سے قبل تھی قائم نہیں رہی، ان طاقتوں کا قدیم متحدہ نظام جو انیسویں صدی اور پھر بیسویں صدی کے اول تیرہ سالوں تک قائم تھا جنگ عظیم سے درہم برہم ہوگیا اور سنہ ۱۹۱۸ء کے بعد پھر زندہ نہ ہوسکا، تیسرے یہ کہ چھ نئی حکومتیں وجود میں آگئیں، فنلینڈ، استھونیا، لتویا، لتھوانیا، پولینڈ، اور زیکوسلواکیا، ان میں سے کوئی بڑی طاقت نہیں ہے اور نہ کوئی آسٹریا ہنگری کی سلطنت کی قائم مقام ہوسکتی ہے، لیکن ان حکومتوں کے قائم ہوجانے سے سیاسیات یورپ میں ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے، جس نے یورپ کے اندرونی توازن پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے، چوتھے یہ کہ نئی حکومتوں کے معرض وجود میں آنے اور رومانیا اور یوگوسلاویا کے رقبوں میں توسیع ہوجانے کی وجہ سے یورپ کی اندرونی سرحدوں میں چودہ ہزار میل کا اضافہ ہوگیا ہے، سرحدوں کے اضافہ کے ساتھ ہی ساتھ قومیت، تامین تجارت (PROTECTIONISM) اور درآمد کی مخالفت کے جذبات حیرت انگیز طور پر بڑھ گئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اکثر حکومتوں کی حالت اقتصادی حیثیت سے خراب ہوتی جارہی ہے اور ایک دوسرے کے درمیان جو کشیدگی بڑھ رہی ہے وہ سیاسی نقطۂ نظر سے حد درجہ خطرناک ہے،

حالات کی مذکورۂ بالا تبدیلی کے باوجود "جدید یورپ" سے اطمینان اور استقلال کی توقع کا نتیجہ مایوسی اور حیرانی کے سوا کیا ہوسکتا تھا، تاہم اس عالمگیر اور دردناک حیرانی کا اصلی سبب کچھ اور ہی ہے،

اس وقت یورپ ایک ایسے دور میں ہے جب ایک قدیم عقیدہ فنا ہو رہا ہے، اور ایک جدید عقیدہ اس کی جگہ پیدا ہو رہا ہے، جو عقیدہ فنا ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ جمہوریت تمام مہذب قوموں کے لئے قدرتی اور بہترین طرز حکومت ہے، اور حکومتیں لابدی طور پر اس کی جانب بڑھتی جا رہی ہیں، اسی سیاسی عقیدہ کی تعلیم انیسویں صدی میں یورپ میں جاری تھی، غیر جمہوری حکومتوں میں بھی مثلاً جرمنی اور روس، اکثر لوگوں حتی کہ جمہوریت کے مخالفین کا بھی عقیدہ تھا کہ جمہوری حکومت ان کے ملکوں میں بھی بالآخر قائم ہو کر رہے گی، واقعات نے اس عام عقیدہ کی تصدیق کی اور یکے بعد دیگرے مختلف مملکتوں میں جمہوری حکومت قائم ہوتی گئی، جن مملکتوں نے مقاومت بھی کی انھوں نے بھی ایسی مراعات منظور کرلیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مکمل جمہوریت کے لئے صرف وقت کا انتظار ہے، انیسویں صدی کی تو پولی کا فلسفۂ سیاست لوک (LOCKE) برک (BURKE) والٹیر (VOLTAIRE) اور روسو (ROUSSEAU) کی تعلیمات پر مبنی تھا، اٹھارہویں صدی یعنی "عہد عقل" کے ان مفکرین نے ثابت کر دکھایا تا کہ مہذب انسانوں کے لئے حکومت کی واحد معقول شکل جمہوریت ہے، اور تقریبًا بلا استثناء تمام فلاسفہ، فضلاء، معلمین، اور اہل علم نے ان کے خیالات کو تسلیم کر لیا تھا، لوک، برک، والٹیر اور روسو کے سیاسی خیالات یوروپین قوموں کے دل و دماغ میں سرایت کر گئے اور ہر سیاسی تحریک مثلاً جمہوریہ فرانس کا قیام، مملکت بلجیم کی تاسیس، اٹلی کا اتحاد، جرمنی کا اتحاد، اور وہ تمام جنگیں جو اس صدی میں پیش آئیں، یہ سب عالمگیر جمہوریت کی ارتقائی منزلیں قرار دی گئیں، اس سے ۱۹۱۴ء سے پہلے کی قوموں کا مطمح نظر سمجھ میں آتا ہے، وہ نہ صرف ایک سیاسی عقیدہ رکھتی تھیں، بلکہ سیاسی دنیا کا ہر واقعہ اس عقیدہ کو زیادہ مضبوط کرتا جاتا تھا، تمام واقعات اس ارتقائی نظام میں اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھتے جاتے تھے، دنیا تمام اہل نظر کے لئے قابل فہم اور معقول تھی،

لیکن ۱۹۱۹ء کے بعد سے دنیا یا کم از کم یورپ اس عقلی اصول کو کھو چکا ہے، جمہوریت کی ناگزیری اب تسلیم نہیں کی جاسکتی، بعض تہذیب یافتہ مملکتوں نے جمہوریت کو آزمایا اور پھر اسے ترک کر دیا، بعض حکومتیں اور بہت سے لوگ اس کے مخالف ہیں، پچھلے پندرہ سالوں میں جمہوریت میں بہت نمایاں طور پر زوال واقع ہو گیا ہے، اٹلی نے اسے ترک کر دیا ہے، روس نے اپنے سیاسی عمل کو الٹ دیا ہے، جرمنی نے جمہوریت کا تجربہ کیا، لیکن بارہ سال کے بعد اس سے دست کش ہو گیا، فرانس میں بھی جمہوری نظام کی مضبوطی اب باقی نہیں رہی اور اس کا قائم رہنا یقینی نہیں آج یورپ کی سیاسیات میں کوئی باقاعدہ اور مرتب نظام دکھائی نہیں دیتا اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کدھر جا رہا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رخ عام بدنظمی کی طرف ہے،

قدیم جمہوری عقیدہ کی ناکامی کے بعد اہل یورپ اب کسی جدید عقیدہ کے متلاشی ہیں، اس وقت دنیا میں دو جدید اور متقابل عقیدوں کی تشکیل ہو رہی ہے، قومیت اور بین الاقوامیت، قومیت کا عقیدہ انیسویں صدی کے جذبۂ قومی کی بظاہر ایک ترقی یافتہ شکل ہے، ورنہ حقیقۃً یہ ایک دوسری ہی چیز ہے، انیسویں صدی میں جب محکوم قومیں آزادی کے لئے جد و جہد کر رہی تھیں، تحریک قومیت کا مقصد قومی حقوق کو تسلیم کرانا تھا، لیکن اپنے قومی حقوق کے تسلیم کرانے کے معنی یہ نہ تھے کہ دوسری قوموں کے حقوق سے اعراض کیا جائے، برخلاف اس کے قومیت کی جو تشریح مزینی (MAZZINI) نے کی تھی اور جس سے تقریبًا سب نے اتفاق کیا، اس کے رو سے قومیت کا عقیدہ حقیقۃً تمام قوموں کی عالمگیر برادری کا اصل اصول تھا،

جدید قومیت ایک دوسری ہی شے ہے، یہ آمادۂ پیکار رہتی ہے، غیر ملکی جابروں کے خلاف نہیں کیونکہ اب اکثر قومیں آزاد ہو چکی ہیں بلکہ ہمسایہ قوموں کے خلاف، اس کی بنیاد اقوام کی اخوت پر نہیں بلکہ اقوام کی خود غرضی پر ہے، توسیع مملکت کی "ضرورت" کو پورا کرنا خواہ دوسری قوم کو اس سے نقصان پہنچے اس کے حقوق میں داخل ہے، چنانچہ موجودہ ابتری کا سبب یہی قومیت ہے، اور اگر یہ قومیت سے اختیار کر لی جائے تو اس ابتری کا مستقل ہو جانا لازمی ہے،

دوسری تحریک بین الاقوامیت کی ہے، یہ جدید قومیت کی تحریک کی تمامتر مخالف نہیں ہے، بلکہ
اس کا مقصد جدید قومیت کی برائیوں کو دور کرنا اور اس سے سبقت لیجانا ہے، بین الاقوامیت کے دو
بنیادی اصول ہیں، ایک یہ کہ کسی قوم یا مملکت کا طرز حکومت، اندرونی سیاست اور داخلی حالات ایسی
چیزیں ہیں جن کا تعلق تمامتر اس کے خانگی معاملات سے ہے، کسی غیر ملکی طاقت کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسری
مملکت کے اندرونی معاملات میں دخل دے، جب تک کوئی ایسا معاہدہ موجود نہ ہو جس کے روسے
مداخلت کا حق قائم ہوتا ہو، مثلاً اگر کسی مملکت نے اپنی حدود کے اندر غلامی کے انسداد سے متعلق دوسری
مملکتوں سے معاہدہ کرلیا ہے، تو ان مملکتوں کو جہانتک غلامی کے مسئلہ کا تعلق ہے مداخلت کا حق
حاصل ہوجائے گا، دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر مملکت کی غرض دوسری مملکت کی آزادی اور استقلال میں
شامل ہے، کیونکہ اگر کسی مملکت کی آزادی اور استقلال کے حق سے انکار کردیا جائے تو اصولاً دوسری
مملکتوں کے یہ حقوق بھی باطل ہوجائیں گے، بین الاقوامی قانون بڑی اور چھوٹی مملکتوں کی تفریق
کو تسلیم نہیں کرتا، اس کے نزدیک تمام مملکتیں برابر ہیں،

موجودہ ابتری، تشویش، پریشانی، اور بحرانی کیفیت جو بار بار طاری ہوتی رہتی ہے یہ سب
انہی دونوں عقیدوں کے تصادم کا نتیجہ ہیں، انجمن اقوام کا عہدنامہ جس پر ۲۰-۱۹۱۹ء میں چھبیس ۲۶
حکومتوں نے دستخط کئے تھے (اور جس کے شرکاء کی تعداد اب تقریباً ساٹھ تک پہنچ گئی ہے) اس امر
کا عام اور قانونی اعلان تھا کہ بین الاقوامیت کا عقیدہ عمومیت کے ساتھ تسلیم کرلیا گیا ہے، کچھ
دنوں تک ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ساری دنیا بین الاقوامی ہوئی جاتی ہے، ہر حکومت اور ہر قوم
نے حتی کہ انھوں نے بھی جو انجمن اقوام میں شامل نہ تھے (باستثناء سوویٹ روس) بین الاقوامیت
کے مذکورۂ بالا اصولوں سے متفق ہونے کا اعلان کیا، جدید قومیت کبھی کبھی حکومت کے کسی فعل کی
محرک ہوئی ہو، لیکن کسی حکومت یا مدبر کی طرف سے علانیہ طور پر نہیں کہا گیا کہ ایسا ہونا بھی چاہئے،

برخلاف اس کے وہ بین الاقوامی تحریک کی حمایت کا اعلان متواتر معاہدوں کے ذریعہ کرتے رہے، جن میں سب سے
زیادہ مشہور پیرس کا معاہدہ بریاند کیلاگ (BYIAND-KELLOGG PACT) ہے جو
انسداد جنگ کے لئے ۱۹۲۸ء میں مرتب ہوا تھا، معاہدۂ پیرس میں سب نے شرکت کی، لیکن اس سے
قبل ہی جدید قومیت کی تحریک بین الاقوامیت کی تحریک کے مقابل آچکی تھی، اس معرکہ میں پہلا قدم
مسولینی نے اٹھایا جب کہ ۱۹۲۳ء میں اٹلی اور یونان کے ایک قضیہ کو اپنی خواہش کے مطابق طے کرنے
کی غرض سے اس نے کورفو (CORFU) پر گولہ باری کردی اور اس مسئلہ کو انجمن اقوام کے سامنے
پیش نہیں کیا، اسی قسم کی متعدد مثالیں جن میں سے بعض کامیاب اور بعض ناکام ثابت ہوئیں، پیش
کیجا سکتی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومتوں نے باہمی جھگڑوں میں بین الاقوامی فیصلہ پر قومی فیصلہ
کو ترجیح دیا، وقتاً فوقتاً بین الاقوامی تحریک کی قوت اور ترقی بھی ظاہر ہوتی رہی، مثلاً ۱۹۳۲ء میں
جب تخفیفِ اسلحہ کی کانفرنس منعقد ہوئی اور پھر ۱۹۳۳ء میں جب دنیا کے معاشی مسائل کے حل کیلئے
ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اجلاس ہوا، لیکن یہ کانفرنسیں بالآخر ناکام ثابت ہوئیں، جدید قومیت
کا زور بڑھتا ہی گیا، اٹلی اور حبش کی نزاع ان دو تحریکوں کے تصادم کی نہایت واضح اور بین مثال ہے

مذکورۂ بالا تصریحات کی بنا پر ۱۹۱۹ء کے بعد کے دور کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہجاتی،
اس دور میں دو مقابل تحریکوں اور عقیدوں یعنی جدید قومیت اور بین الاقوامیت کا مدوجزر صاف
طور پر نظر آتا ہے، یورپین پبلک کی حیرانی اور مایوسی کا سبب یہ ہے کہ اس نے اس چیز کو سمجھا نہیں،
اس نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ جمہوریت کی لابدی ترقی کا عقیدہ فنا ہورہا ہے، لیکن ابھی تک یہ نہیں
دیکھا ہے کہ دو جدید عقیدے پیدا ہو کر میدان عمل میں بڑھ رہے ہیں، اس نے ۱۹۱۹ء میں آنے
والے دور کا غلط اندازہ کیا اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، یہ غلطی واضح ہوتی گئی، اور حیرانی اور مایوسی
کا سامنا کرنا پڑا، جس وقت لوگوں کو متعین طور پر معلوم ہوجائے گا کہ جمہوریت اور مطلق العنانی کا مسئلہ

اب جدید قومیت اور بین الاقوامیت کے مسئلہ میں ضم ہوگیا ہے، وہ دیکھ لیں گے کہ معاملات کا
کس طرف ہے، اور پھر وہ اپنے لئے کوئی راہ پسند کریں گے، ہوسکتا ہے کہ غور کرنے کے بعد
لوگ جدید قومیت کا اصول اختیار کرلیں، لیکن یہ زیادہ قرین قیاس نہیں، بیشتر اصحاب فکر کا رجحان
بین الاقوامیت کی طرف معلوم ہوتا ہے، بین الاقوامیت کی حمایت میں عیسائی مذہب کی تمام تعلیمات
بھی ہیں، اکثر فلسفیوں کی رائے بھی اسی کی موافقت میں ہے، یورپین مدبرین کی اکثریت بھی اسی
جانب ہے، عوام بھی جنھیں جدید قومیت کی خطرناک حوصلہ مندیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے، غالباً
اسی کی حمایت کریں گے، جتنے ہی زیادہ لوگ بین الاقوامیت کو سمجھ کر اختیار کرتے جائیں گے اتنی
ہی زیادہ یہ تحریک مضبوط ہوتی جائے گی، لیکن یہ توقع نہیں کیجاسکتی کہ اس کی ترقی مستقل اور غیر منقطع
ہوگی، کیونکہ دوسری تحریک طاقتور ہے اور اسے جذبات و تعصبات کی قوت اور زبردست
"اغراض" کی حمایت حاصل ہے، بہرحال جن لوگوں نے بین الاقوامیت کا عقیدہ سوچ سمجھ کر اختیار
کرلیا ہے، وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ سچائی اور انصاف کے غیر متبدل اصولوں کے ہم آہنگ ہیں،
اور چونکہ تمام نیک اندیش مرد اور عورتیں انہی اصولوں کی حامی ہیں، اسلیئے بالآخر یہ اصول کامیاب ہوکر رہینگے۔

"ع ز"

ہماری بادشاہی

ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی، جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کرسکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے لائق، دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں، امید ہے کہ اسکولوں، مدرسوں اور مکتبوں کے کارکن اور معلم اس کو نصاب تعلیم میں داخل کریں گے، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت عمر

"منیجر"

اخبار علمیہ

تاریخ بنگال

امرت بازار پتر کا کا نامہ نگار لکھتا ہے، کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے تاریخ بنگال کی تالیف کا جو کام شروع کیا گیا تھا، وہ تیزی کیساتھ جاری ہے، پہلی جلد کے مختلف ابواب جو ہندو عہد پر مشتمل ہوگی مختلف اشخاص کے سپرد کردیئے گئے ہیں، اس جلد کی ادارت، پروفیسر آر، سی، مازمدار، ڈھاکہ یونیورسٹی نے قبول کی ہے، لکھنے والوں میں بعض اشخاص کے نام حسب ذیل ہیں، جو ابواب انکے سپرد کیئے گئے ہیں، ان کے ناموں کے سامنے قوسین میں درج ہیں، (۱) ڈاکٹر گوہا زوالوجیکل سروے آف انڈیا، (بنگال کی مختلف نسلیں) (۲) ڈاکٹر رائے چودھری کلکتہ یونیورسٹی (قدیم تاریخی عہد) (۳) ڈاکٹر باسک، پریزیڈنسی کالج کلکتہ، (سلطنت گپت سے قوم پالا تک قانون اور نظام حکومت) (۴) ڈاکٹر مازمدار، (قوم پالا، قوم سینا، اقتصادی تاریخ، اور بنگالۂ عظمیٰ)، (۵) ڈاکٹر رائے کلکتہ یونیورسٹی، (چندرا، برمن اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خاندان) (۶) مسٹر این جی مزمدار محکمۂ آثار قدیمہ، (فنون وصنعت)، (۷) ڈاکٹر ڈے، ڈھاکہ یونیورسٹی، (سنسکرت لٹریچر)، (۸) ڈاکٹر چٹرجی، کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر)،

دوسری جلد میں بنگال پر مسلمانوں کے پہلے حملہ سے لیکر بنگال کے آخری پٹھان فرمانروا داؤد تک کی تاریخ ہوگی، تیسری جلد عہد مغلیہ پر مشتمل ہوگی، جسمیں داؤد سے لیکر جنگ پلاسی تک کے حالات ہونگے، ان دو جلدوں کی ادارت سرجادو ناتھ سرکار کے ہاتھ میں ہے، مختلف ابواب مندرجۂ ذیل اشخاص کو دیئے

گئے ہیں،:- (۱) ڈاکٹر قانونگو ڈھاکہ یونیورسٹی، (مسلمانوں کی فتح سے عہدِ بلبن تک. افغانوں کا عروج، آئین
اور نظام حکومت،) (۲) پروفیسر شرف الدین، راج شاہی کالج (اہل حبش) (۳) سر جادو ناتھ سرکار،
(مغلوں کی فتح، معاشرتی اور اقتصادی تاریخ، قانون اور نظام حکومت، سیاسی تاریخ، شایستہ خان
سے سراج الدولہ تک، جسمیں مرہٹوں کے حملے بھی شامل ہوں گے) (۴) حکیم حبیب الرحمٰن، (اشاعت
اسلام اور بنگال میں اسلامی تہذیب و تمدن (۵) پروفیسر سین، شانتی نکیتن، (مذہب اور مذہبی حالت)،
(۶) پرنسپل داس گپتا، سنسکرت کالج، بشمول پروفیسر دینیش بھٹاچاریا و پروفیسر ضیا ہرن چکرورتی (سنسکرت
لٹریچر)، (۷) ڈاکٹر چٹرجی، کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر اور دیسی کہانیان)، (۸) ڈاکٹر انعام الحق،
(ہندی اسلامی لٹریچر اور لٹریچر میں مسلمانوں کا حصہ) (۹) پروفیسر سین، کلکتہ یونیورسٹی، (بنگال میں پرتگالی)
(۱۰) پروفیسر کالی کنکر دت، پٹنہ کالج (علی وردی خان) (۱۱) پروفیسر نرودھ بھوشن رائے، (سلاطین
تغلق) (۱۲) پروفیسر سین کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر) (۱۳) پروفیسر باسو ملک، میرٹھ کالج، (عہد مغلیہ
سے قبل کا مذہب)،

اس تاریخ کے ابتدائی اخراجات کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی ایک ہزار روپئے دے چکی ہے،
اسکے علاوہ مسٹر اے، ایف، رحمان وائس چانسلر، ڈھاکہ یونیورسٹی نے جیب خاص سے ایک ہزار کی رقم
اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، ڈاکٹر قانون گو نے، قانونگو پار لائبریری چاٹگانگ
کی طرف سے پچاس روپیوں کا وعدہ فرمایا ہے، امید کیجاتی ہے کہ اس تاریخ کی پہلی اور تیسری جلدین
جولائی ۱۹۳۷ء کے آخر تک چھپنے کے لئے پریس پہنچ جائین گی،

دانتون کی صحت کے لئے مناسب غذا کی تجویز

دانت کے امراض کی شکایت آج تمام مہذب ملکوں میں عام ہے، لٹریری ڈائجسٹ کی تازہ
اشاعت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت امریکہ میں ساٹھ ہزار دندان ساز ڈاکٹر چھ لاکھ آدمیوں کے

علاج میں مصروف ہیں، اس عام شکایت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگون نے دودھ اور دوسری
غذاؤں کو جنسے دانتوں کو قوت پہنچتی ہے، ترک کر دیا ہے، وسط جون ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی سائنس
امریکہ کے ایک جلسہ میں اس وبا کی جو رودادپیش کی گئی، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتیرے امراض جنکا
تعلق بظاہر دانتوں سے معلوم نہیں ہوتا، در اصل انہی کی خرابی سے پیدا ہوتے، اور بڑھتے رہتے ہیں،
چنانچہ ڈاکٹر میکال (MECALL) نے اپنا تجربہ بیان کیا، کہ انکے پاس پانچ سال کا ایک
لڑکا لایا گیا، جس کے قلب کا فعل نہایت خراب ہو چکا تھا، اور اسکی کمزوری اتنی بڑھ گئی تھی، کہ اُس کے
والدین اُسے کرسی میں اُٹھا کر لائے تھے، معائنہ کرنے پر معلوم ہوا، کہ اُس کا ایک دانت بھی مرض سے
پاک نہ تھا، لہذا سب دانت نکال ڈالے گئے، دو ہی ماہ کے بعد اُسکے قلب کی حالت بالکل درست
ہو گئی، اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے بعد مناسب غذا پر رکھنے سے نئے دانت ایسے عمدہ نکلے کہ انکے
علاج کی ضرورت ڈاکٹر موصوف کی رائے میں آیندہ غالبًا کبھی پیش نہ آئیگی، یہ مناسب غذا ڈاکٹر
چارلس ڈرین (CHARLES DRAIN) اور ڈاکٹر جولین بوائڈ (JULIAN BOYD)
کی تجویز کردہ ہے، اور انھیں بھی بالکل اتفاقیہ طور پر معلوم ہو گئی، بعض ذیابیطس کے مریض بچوں کیلئے
وہ مختلف غذاؤں کا تجربہ کر رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ جو مناسب غذا ذیابیطس کی رعایت سے
تجویز کی گئی تھی، اُس سے غیر متوقعہ طور پر ان بچون کے دانتوں کی خرابی بھی رُک گئی، یہ دیکھ کر انھون نے اس
غذا کا تجربہ ان بچوں پر بھی کیا، جنکو ذیابطس کی شکایت نہ تھی، تجربہ سے معلوم ہوا کہ خرابی اگر شروع ہو چکی
ہے تو اس غذا کے استعمال سے رُک جاتی ہے، اور مرض بڑھنے نہیں پاتا، یہ غذا حسب ذیل اجزا پر مشتمل ہے:- دودھ
ایک سیر، انڈا، ایک عدد، مچھلی کا تیل ایک چمچہ، (چائے کے چمچہ سے)، مکھن نصف چھٹانک، سنترا ایک عدد، ترکاری
یا کوئی اور پھل تھوڑی سی مقدار میں، تین سال سے پانچ سال کی عمر والوں کیلئے گوشت کا اضافہ بھی کر دیا گیا
ہے، سات سال سے سولہ سال والوں کیلئے یہ چیزین تجویز کی گئی ہیں، یہی سولہ سال سے زیادہ کے لوگوں کے لئے

بھی ہیں؛ دودھ ایک سیر، انڈے دو عدد، بکری کا گوشت، مچھلی، مرغ، یا کلجی، سنترا ایک عدد، ٹوماٹو، مچھلی کا تیل ایک چمچہ، مکھن، چھ چمچے، سنترے کے علاوہ کوئی ایک پھل اور روٹی اور آلو کی بھی اجازت ہے، مصالحے کافی چائے، خشک گوشت، اور اچار سے پرہیز کرنا چاہئے، ڈاکٹر میکال کا خیال ہے کہ اگر مائیں بچوں کی ولادت سے قبل ہی مذکورۂ بالا غذا کا استعمال شروع کردیں اور ولادت کے بعد بچوں کی پرورش اسی غذا سے کریں، تو دانتوں کے امراض ایک پشت کے اندر ہی تقریبًا بالکل دور ہو جائیں گے،

سورج گرہن

۱۹ رجون ۱۹۳۶ء کا سورج گرہن بحر روم سے بحر الکاہل تک کے خط میں پوری طرح نمایاں تھا، لیکن سب سے زیادہ نمایاں سائبریا اور شمالی جاپان میں تھا، چنانچہ روس میں اسکے متعلق تیاریاں بہت پہلے سے ہو رہی تھیں، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ عوام کو گرہن کے حالات بتائے جارہے تھے، رصدخانوں کی طرف سے اس موضوع پر سا مقالات آسان زبان میں شائع ہو رہے تھے، حکومت نے بھی تین کتابیں اور بہت سے رسالے شائع کرکے لوگوں کو آنیوالے واقعہ کی نسبت مفید معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی، اس گرہن کا انتظار سختی سے کیا جا رہا تھا، کیونکہ پچھلا گرہن جو فروری ۱۹۳۴ء میں لگا تھا، صرف بورنیو کے گھنے جنگلوں سے دکھائی دیا تھا، جتنا بہتر موقعہ جون ۱۹۳۶ء کے گرہن کا مطالعہ کرنے کیلئے ملا اتنا ابتک کسی گرہن کے لئے میسر نہیں آیا، اسی لئے ایک سال قبل ہی ہیئت دانوں کی بین الاقوامی انجمن نے پیرس میں اجلاس کرکے اس گرہن کے مختلف حصوں کے مطالعہ کیلئے مختلف جماعتیں متعین کردی تھیں تاکہ کوئی حصہ مطالعہ سے رہ نہ جائے اور کسی ایک حصہ کے مطالعہ میں ایک سے زیادہ جماعتیں وقت صرف نہ کریں، چنانچہ منجملہ اور ممالک کے امریکہ، جاپان، انگلستان، فرانس، بلجیم، اور پولینڈ کے وفود اس وسیع خط میں پھیلے ہوئے تھے، جہاں گرہن پوری طرح نمایاں تھا،

پورا سورج گرہن اب آئندہ ۸ رجون ۱۹۳۷ء کو واقع ہوگا، لیکن صرف بحر الکاہل سے دکھا جاسکے گا، یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو دوسرا پورا گرہن جنوبی نصف کرہ کے ایک حصہ سے نظر آئیگا، شمالی امریکہ میں پورا سورج گرہن ۳۰ رجون ۱۹۵۴ء کو دکھائی دیگا، یہ کناڈا میں واقع ہوگا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کی باری ۱۰ رجولائی ۱۹۷۲ء میں آئیگی جب پورا گرہن نیو انگلینڈ کی ریاست سے نظر آئیگا،

ع ز

باب التقریظ والانتقاد

تتمّۃ صوان الحکمۃ

مصححہ پرنسپل محمد شفیع ایم اے، پروفیسر عربی پنجاب یونیورسٹی، پتہ :- موتی لال بنارسی داس پنجاب سنسکرت بک ڈپو سید مٹھا، لاہور، قیمت ہر سہ جلد :- لعہ ر

عربی زبان میں ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہرین پر الگ الگ کتابیں لکھی گئی ہیں، من جملہ ان کے علوم فلسفہ وحکمت کے ماہرین کے حالات وسوانح پر بھی چند کتابیں لکھی گئی ہیں، گو تصریح پتہ نہیں چلتا کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب کونسی لکھی گئی ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ عربی میں اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب یحیٰی نحوی کی تاریخ ہے، خواہ اس کا ترجمہ ہو، (فہرست ابن ندیم صہ ۲۹۰ وصہ ۳۰۷، ۳۵۴ مصر) اس کے بعد تاریخ اسحاق الراہب (ایضاً ص ۳۳۴) و تاریخ الاطبا، اسحاق بن حنین (ایضاً صہ ۲۹۷ وصہ ۲۹۸، وصہ ۴۱۵) لکھی گئی، چونکہ اکثر اطبا، حکما ہوتے تھے، اور اکثر حکیم طبیب، اس لئے ان دونوں کے حالات ایک دوسرے کے تذکرے میں ملا جلا کر لکھے جاتے تھے، ان کتابوں کا بھی یہی حال تھا، ان میں زیادہ تر یونانی حکیموں کے حالات اور سوانح تھے،

ابن ندیم بغدادی نے ۳۷۷ھ میں جو فہرست لکھی اس کا ایک باب حکما اور فلاسفہ کے حالات میں ہے، شاید یہ پہلا موقع ہے، کہ دوسرے حکما کے پہلو بہ پہلو مسلمان حکما کو بھی جگہ دی گئی، ابن ندیم کا ایک استاد مشہور حکیم ابو سلیمان محمد بن طاہر سجستانی منطقی تھا، جو بقول شہرزوری ۳۷۰ھ میں

بغداد میں موجود تھا، اس نے صوان الحکمۃ کے نام سے حکماء کے اقوال وسوانح میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کتاب کی تالیف کا زمانہ چوتھی صدی کا وسط قرار دینا چاہئے، پانچویں صدی میں قاضی صاعد اندلسی کی طبقات الامم کو بھی اسی سلسلہ کی کڑی سمجھنا چاہئے،

اس زمانہ میں کتاب پر تتمہ اور تتمہ پر تتمہ لکھنے کا رواج تھا، ظہیر الدین علی بن زید بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے ۵۴۹ھ سے پہلے صوان الحکمۃ پر تتمہ لکھا، جس کا نام تتمہ صوان الحکمۃ ہے، اور یہی کتاب اسوقت زیر تبصرہ ہے، چھٹی صدی کے نصف میں ایک اور مصنف نے اس کا اتمام لکھا، جس کا نام اتمام تتمہ صوان الحکمۃ ہے، ساتوین صدی کے آغاز میں شہرزوری نے ان سب معلومات کو نزہتہ الارواح میں کسیقدر اضافہ کیساتھ کھپا دیا، ساتویں صدی کے وسط میں جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے اخبار العلماء باخبار الحکماء کے نام سے اس فن میں ایک عمدہ کتاب لکھی، آٹھویں صدی کے وسط میں تتمہ صوان الحکمۃ کا ترجمہ فارسی میں درۃ الاخبار ولمعۃ الانوار کے نام سے ہوا، اکبر کے عہد میں شہزادہ سلیم (جہانگیر) کیلئے ۱۰۱۱ھ میں شہرزوری کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہوا، مترجم کا نام مقصود علی تبریزی ہے، اس ترجمہ کا خلاصہ میر سید صدر الدین بن میر محمد صادق نے بہت بعد میں کیا، تبریزی کی کتاب ہندوستان کے اندر دار المصنفین اور دفتر مال حیدرآباد کے کتبخانہ میں اور خلاصہ بانکی پور لائبریری میں ہے،

اس پورے سلسلۂ تواریخ حکماء میں سے کتاب الفہرست کو چھوڑ کر صرف ایک کتاب مختصر اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی یورپ اور مصر میں چھپی تھی، لیکن چند سال ہوئے کہ پنجاب یونیورسٹی کے صیغۂ علوم مشرقی کی طرف سے پروفیسر محمد شفیع صاحب نے درۃ الاخبار کو تصحیح وتحشیہ کیساتھ چھاپا تھا، اور اب انھیں نے درۃ الاخبار کی عربی اصل تتمہ صوان الحکمہ کو چھاپ کر شائع کیا ہے، اس کتاب کے ایک نسخہ کی نقل حیدرآباد کے ایک اور فاضل بھی یورپ سے لائے تھے، اور وہ اسکی تصحیح وطبع کی فکر میں تھے، مگر یہ سعادت پروفیسر محمد شفیع کی قسمت میں تھی، انھوں نے یورپ اور قسطنطنیہ کے مختلف کتب خانوں کے نسخوں کے

مقابلہ سے ایک صحیح نسخہ تیار کیا، اور اوس پر محققانہ حواشی لکھے، اور پنجاب یونیورسٹی نے اوس کو چھاپ کر شائع کیا،

تواریخ حکماء کے باب میں دو بڑی دقتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کتابوں میں ان کے حالات نہایت ہی مختصر ہیں، بلکہ کہین کہیں تو ان کے ناموں پر اکتفاء کی گئی ہے، دوسری یہ کہ ان کی ولادت اور وفات کے سنین بہت کم ملتے ہیں،

محشی موصوف نے اپنے امکان بھر ان دونوں دقتوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، حواشی میں دوسرے ذرائع سے مترجم لہ کا اگر کوئی حال معلوم ہو سکا ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے، اور اون کی زندگی اور وفات کی تاریخ وسنہ کا اگر پتہ لگ سکا ہے، تو اسکو ذکر کیا ہے، ساتھ ہی دوسرے متعلقہ اشخاص کے سوانح کی تشریح بھی کی ہے، کتاب کے مختلف نسخوں کی مختلف قراءتوں میں سے صحیح قرأت کی تعیین متن میں کی ہے، اور دوسری قراءتوں کو حاشیہ میں درج کر دیا ہے، کتاب کے شروع میں فہرست کتاب ہے، اور اخیر میں مزید تشریحی حواشی لکھے ہیں، اور ناموں اور کتابوں کا انڈکس بنا کر شامل کیا ہے، سب سے آخر میں غلطنامہ ہے،

کتاب کی تصحیح اور تحشیہ میں پروفیسر موصوف نے پوری محنت کی ہے، اور حکماء کی جو تصانیف موجود ہیں، اور جن کتبخانوں میں ہیں اونکا پتہ دیا ہے، ارباب نظر جانتے ہیں، کہ اس قسم کے کاموں میں کس دیدہ وری اور دیدہ ریزی کی ضرورت ہے، مصحح محشی نے ان دونوں باتوں کا پوری طرح ثبوت دیا ہے،

کتاب میں کل ۱۱۱ حکیموں کا تذکرہ ہے، حنین بن اسحاق کے حال سے وہ شروع اور زین الدین جرجانی کے حال پر ختم ہوئی ہے، یعنی وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط تک کے حکماء کے احوال پر مشتمل ہے، مصنف نے حتی المقدور تاریخی ترتیب پیش نظر رکھی ہے، گو اسکی پوری رعایت نہیں کی ہے،

کتاب کی تصحیح اور تحشیہ میں جو محنت کی گئی ہے، اسکی بنا پر وثوق کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ

کسی یوروپین مستشرق کی محنت سے کم نہیں ہے، حالانکہ کتابوں کے ملنے کی جو آسانیاں یورپ میں ہیں
وہ ہندوستان میں کہاں اور کس کو میسر ہیں؟

بعض مقامات کی نسبت ہمکو کچھ کہنا بھی ہے،

ص۱۱ پر جس علاء الدولہ فرامرز بن علی کا ذکر ہے، تاریخ بیہق کے ضمنی تذکرہ کے علاوہ جس کا حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے، کامل ابن اثیر کے حوادث ۵۱۵ھ میں اس کا ذکر ہے کہ اس نے اس سال مشہد کے گرد چہار دیواری (سُور) بنوائی تھی، کسی قدر اس کا مفصل حال علامہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے، اور ۵۳۶ھ اسکی تاریخ وفات بتائی ہے، محشی نے فائت حواشی میں (ص۲۲۲) اس علاء الدولہ پر جو حاشیہ لکھا ہے، وہ بے محل معلوم ہوتا ہے، کہ وہ علاء الدولہ فرامرز کا حال نہیں، بلکہ اس کے بجائے علاء الدولہ گرشاسپ کا ہے،

مصنف کو یعقوب کندی کے یہودی یا نصرانی ہونیکا شبہہ ہے (ص۴۲) محشی نے چہار مقالہ کا حوالہ دیا ہے، کہ اس نے مصنف نے بھی اس کو یہودی لکھا ہے، حالانکہ قاضی صاعد اور قفطی نے اسکے مسلمان ہونے اور مہدی و رشید کے زمانہ میں اس کے باپ کے امیر کوفہ ہونے، اور اسکے دادا اشعث بن قیس کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے، اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ان کا پورا حال مذکور ہے،

یعقوب کندی کے ایک رسالہ کے رامپور میں ہونے کا ذکر محشی نے کیا ہے، (ص۱۸۶) حالانکہ اس کا ایک اور رسالہ، رسالۃ فی الشعاع بانکی پور کے مشرقی کتب خانہ میں بھی موجود ہے، اسکا تیسرا رسالہ تصحیح قول ابسقلاوس فی المطالع بدایون میں چھپا ہے،

تعجب ہے کہ محشی نے طبقات الامم کے مصنف کو فہرست ماخذ میں (ک) اور حواشی میں انکو (ص۲۵) جابجا ابن صاعد لکھا ہے، حالانکہ صاعد خود اس کا نام ہے، اس کے باپ کا نہیں، اس لئے ہر جگہ صاعد لکھنا چاہئے تھا،

بعض الفاظ کی صحیح قرأت نہیں ہو سکی ہے، مثلاً ص۱۱۱ میں ہے، "سا واك عبد غيرك" حالانکہ یہ فقرہ بعید المعنی ہے، محشی نے نسخۂ غ کے مطابق یہ الفاظ متن میں رکھے ہیں، حالانکہ ك اور ب میں عبد کے بجائے صحیح طور پر عند تھا، اس کی صحیح قرأت نل میں ہے، اور وہ یہ ہے، ماذاك عند غیرك یعنی تم یہ کہتے ہو، مگر تمہارے سوا دوسرے آدمی کے نزدیک یہ بات یوں نہیں ہے،

ص۱۳۶ میں ایک شعر ہے، جسکو متن میں اسطرح بقید اعراب لکھا گیا ہے،

فتًی عیشةً معروفةً بعد موته — لقد دفنوا منه سقی الله قبره

عیشةً معروفةً پڑھنے سے شعر بے معنی ہو جاتا ہے، بلکہ اس کو عیشه معروفه پڑھنا چاہئے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جوان مرد کو دفن کر دیا، جسکی زندگی اوس کے مرنے کے بعد اوسکی نیکی کے کارنامے ہیں،

ص۸۲ میں زیجا الذی غلط معلوم ہوتا ہے، الزیج الذی له ہوگا، یا زیجه ہو، جیسا کہ اختلاف قرأت کے حواشی ص۸۲ میں ہے،

ص۹۹ کے حاشیہ میں راغب اصفہانی کی تصانیف میں سے تفصیل النشأتین کا چھپ جانا لکھا گیا ہے، حالانکہ ان کی دوسری کتاب الذریعة الی مکارم الشریعه بھی ۱۳۲۴ھ میں مصر میں چھپ گئی ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے،

ابو حاتم مظفر اسفزازی کی تاریخ وفات ۵۰۶ھ (چہار مقالہ) اور ۵۱۵ھ (میزان الحکمۃ خازنی) کے درمیان متعین کی گئی ہے، مگر خود تتمۂ صوان الحکمہ میں ہے کہ اس نے جو سائنٹفک ترازو بنائی تھی اور شاہی خزانہ میں پیش کی تھی، اسکو جب سلطان سنجر کے خزانچی نے توڑ ڈالا، تو حکیم مذکور (ابو حاتم مظفر) اس غم میں مر گیا، سلطان سنجر ۵۱۱ھ میں تخت پر بیٹھا، اس بنا پر ابو حاتم مظفر کی تاریخ وفات ۵۱۱ھ اور ۵۱۵ھ کے درمیان مقرر کرنی چاہئے،

ص ۹۳ میں کوشیار کی مجمل کا پورا نام چہار مقالہ کے حوالہ سے مجمل الاصول بتایا گیا، اور رامپور لائبریری میں اس کا ہونا لکھا ہے، اس کا دوسرا نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتبخانہ (حیدر آباد دکن) میں بھی ہے، اور وہاں اوس کا نام مجمل الاحکام فی اصول الاحکام ہے،

ص ۱۲۸، س ۵ میں عشرین مجلدات کا لفظ متن میں رکھا گیا ہے، حالانکہ صحیح نسخہ وہ ہے جو حاشیہ میں بحوالہ نب، ب لکھا گیا ہے، یعنی مجلدۃ،

تتمہ کا فارسی اڈیشن درۃ الاخبار پروفیسر شفیع صاحب پہلے لیتھو میں شائع کر چکے تھے، اب اوس کو اس سلسلہ کی دوسری کڑی بنا کر دوبارہ ٹائپ میں چھاپا ہے، حواشی وہی ہیں جو طبع اول میں تھے کہیں کہیں ترمیم اور تبدیل کی ہے مگر تعجب ہے کہ نصیر طوسی کے حال میں تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے جو بیان "و عمرش بقول صاحب گزیدہ، سال و، ماہ و، روز بود" پہلے لکھا گیا تھا، اس میں تغیر نہیں کیا گیا ہے مطبوعہ گزیدہ میں جہاں تک میں نے تلاش کیا، یہ نہیں ملا، البتہ ہفت اقلیم رازی میں ہے کہ "و مدت عمرش ہفتاد و ہفت سال و ہفت ماہ و ہفت روز بود" جو حساب سے غلط ہے اور صحیح ۵، سال، ماہ، روز ہے،

حکمائے اسلام کی تاریخ میں غالباً قدما نے کوئی محققانہ کتاب نہیں لکھی، حالات بہت کم کئے ہیں سنین سے غفلت برتی ہے، تصانیف کا استقصا نہیں کیا ہے، پھر یہ جو کچھ ہے، چھٹی صدی تک ہے اسکے بعد کی چھ صدیوں میں یہ ادھورا کام بھی نہیں کیا گیا، اور اس دوسرے دور کے اشخاص بالکل زاویۂ خمول میں ہیں، ضرورت ہے کہ پرانے ماخذوں کی جدید تحقیقات سے ایک نئی کتاب اس موضوع پر لکھی جائے، اور اس بڑی کمی کو پورا کیا جائے، معلوم نہیں کس خوش قسمت کی قسمت میں یہ خدمت مقدر ہے،

کتاب کا تیسرا حصہ جو انگریزی دیباچہ و تبصرہ ہوگا زیر طبع ہے،

"س"

ہندوستانی کے چند نئے رسالے

سال رواں میں ماہ فروری سے ماہ جولائی ۳۶ء تک ہندوستانی زبان میں حسب ذیل نئے رسالے شائع ہوئے

تحقیق حق - لکھنؤ، مدیرہ جناب سید علی صفدر صاحب ایم اے ال ال بی ۴۰ صفحے قیمت سالانہ ہے، ہر پرچہ ۵ پتہ:- امپیریل بکڈپو نمبر ۱۹، امین الدولہ پارک، لکھنؤ،

یہ علوم فلسفہ و کلام کا ماہوار رسالہ ہے، جس میں عقلی دلائل سے ادیان و مذاہب کی تحقیق کی جاتی ہے اس کے کارکن قدیم اسلامی فلسفہ و علم کلام کے مباحث کو دور حاضر کے نئے تعلیم یافتہ طبقوں کے فہم و مذاق کے مطابق پیش کرتے ہیں، اور اس طریقہ سے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں دین اسلام کی برتری عقلی دلائل سے دکھاتے ہیں، اگرچہ نفس واقعہ کے لحاظ سے احقاق حق کے لئے ان متکلمانہ مباحث و نظریات کو اساس حق قرار دینا ایک ذوقی مسئلہ ہے، لیکن جن لوگوں کی ذہنیت کے مقابلہ میں انھیں پیش کیا جاتا ہے، ان کی تشفی کا پورا سامان ان میں بہم پہنچایا جاتا ہے، اور اس حیثیت سے ایک قابل قدر خدمت انجام پارہی ہے، رسالہ کے مضامین انگریزی و ہندوستانی دونوں زبانوں میں ضرورت و محل کے لحاظ سے چھاپے جاتے ہیں، "تحقیق مذہب" کے عنوان سے مدیر کا ایک مضمون دونوں زبانوں میں چھپ رہا ہے، جس میں عیسائی، آریہ اور ملحد وغیرہ فرقوں کے درمیان وجود باری تعالیٰ پر دلائل قائم کئے گئے ہیں، رسالہ کے کاغذ اور لکھائی چھپائی پر مزید توجہ کی ضرورت ہے

شمیم، پٹنہ، اڈیٹر جناب تمنائی، حجم ۴۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ سے ہر پرچہ ۴ پتہ:- یونس منزل، اگزیبیشن روڈ، پٹنہ،

یہ ادبی ماہنامہ ہے، جو پٹنہ کے ایک ہونہار نوجوان اہل قلم کے جذبۂ خدمت ادب سے نکلا ہے، ادبی مضامین اور افسانے خاصے ہوتے ہیں، نیز انگریزی کے علمی مضامین اور کتابوں کے ترجمے چھپتے ہیں، رسالہ کے دائرۂ عمل میں

سیاسیات داخل ہیں، ہر ماہ بین الاقوامی و ہندوستانی سیاسیات پر رائے زنی کی جاتی ہے، مضامین اور افسانوں میں سوشلزم کی حمایت کی جھلک نظر آتی ہے، اس سلسلہ میں اگر گرم فقرے بھی قلم سے ٹپک پڑیں تو اسے نوجوان ادیب کی نوجوانی کے قلم کی تیزی سمجھنا چاہئے، توقع ہے کہ یہ رسالہ صوبہ کے نوجوانوں میں ادبی مذاق پیدا کریگا، اور رفتہ رفتہ ادارت کا تجربہ بھی آجائے گا،

حیات ۔ مدراس، مدیر جناب محمد عبد الحمید صاحب حمید، ۱۶ صفحے، قیمت ار پتہ :۔ بھمنی پریس ترنکیھڑی ہائی روڈ، مدراس، صوبہ مدراس سے ہندوستانی زبان کے خاصے رسالے نکل رہے ہیں

صوبہ مدراس سے ہندوستانی زبان کے خاصے رسالے نکل رہے ہیں، یہاں کے مفکروں میں اس زبان کی خدمت اور مسلمانوں کو سیاسی و تعلیمی اصلاح و ترقی کے لئے ابھارنے کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے، چنانچہ یہ نیا ماہنامہ "حیات" بھی انہی مقاصد کے ساتھ ماہ محرم سے جاری ہوا ہے، دار المصنفین کے سابق رفیق مولانا ابو الجلال ندوی اور چند دوسرے اہل علم اس رسالہ کے نگراں ہیں، اور پہلے نمبر میں ان کے مضامین نثر و نظم درج ہیں،

شباب مشرق کلکتہ اڈیٹر جناب شمس شیدائی و ڈاکٹر محمد یوسف صاحب خیآل، ۳۲ صفحے، قیمت عام ہر پرچہ ۲ر پتہ :۔ نمبر ۳۶، سنٹرل ایونیو، روم ۱۰، کلکتہ،

یہ رسالہ بنگال میں ہندوستانی زبان و ادب کی خدمت اور "حق کی اشاعت" کے لئے جاری ہوا ہے، جس میں معمولی اور اوسط درجہ کے ادبی مضامین چھپتے ہیں،

اتحاد اسلامی، رامپور اڈیٹر جناب دائم جلالی، ۵۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۲ر پتہ :۔ بازار صفدر گنج رامپور،

اس میں عام فہم مذہبی، اصلاحی مضامین تراجم اور تاریخی قصص و حکایات شایع ہوتے ہیں،

"ر"

مطبوعات جدیدہ

انقلابِ روس، از جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ناشر ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد، ملنے کا پتہ :۔ سول ایجنٹ کتابستان الہ آباد، حجم ۴۵۰ صفحات، قیمت :۔ عار

روس کا جدید انقلاب، دنیا کی تاریخ میں صرف سیاسی اہمیت نہیں رکھتا، اسکے علمبردار ایک جدید تمدن، نئی معاشرت، اور اعجوبۂ روزگار نظامِ اخلاق کی نئی طرح ڈالنے کے بھی دعویدار ہیں، چند دنوں پہلے تک روس کے صحیح حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے ذرائع ہمارے پاس مفقود تھے، اس کے متعلق تصنیفات، مضامین اور سفرنامے زیادہ تر ذاتی رجحانات کے ماتحت سیاسی اغراض کے لئے لکھے جاتے تھے، ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ حکومتِ روس کے تعلقات، دولِ یورپ سے نئے سرے سے استوار ہوئے، پروپگنڈے کا دور ختم ہوا، اور واقعات اپنے اصلی رنگ میں ظاہر کئے جانے لگے، لیکن اسوقت تک ہندوستانی زبان میں اس کے عصرِ جدید پر کوئی قابلِ اعتماد تصنیف موجود نہ تھی، جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے یہ ضرورت پوری کی،

موصوف نے اس کتاب میں بالشویک نظامِ حکومت، آئین و قوانین، ملکیت، صنعت و حرفت اور زراعت کے متعلق بالشویک اصول و عقائد اور ان کی عملی سرگرمیوں، روس کی موجودہ تعلیمی جد وجہد اور مذہب، نظامِ معاشرت اور اخلاق کے متعلق بالشویک عقائد، اور عملی تجربے، ان کی حمایت و مخالفت دونوں سے قطع نظر کرکے دکھائے ہیں، اس کتاب میں مصنف کی حیثیت ایسے مورخ کی ہے، جو ذاتی رجحان سے علحدہ رہ کر جو واقعہ جس طور پر پیش آیا، اوسے سادہ طریقے سے بیان کردے، اور

وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں،

پنڈت جی کی اس تصنیف میں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے، ادھر پچھلے چند سالوں میں ان کی جو کتابیں شائع ہوئیں، ان میں اونھوں نے ہندی کے نو پیدا نامانوس الفاظ بہ کثرت استعمال کیے تھے، چونکہ پنڈت جی ہندوستانی زبان کے کہنہ مشق اہل قلم تھے اسلئے معارف نے پچھلے موقعوں پر ایک سے زیادہ مرتبہ ان کو ٹوکا، اور موصوف نے بعض تحریروں میں اپنا طرز عمل حق بجانب دکھانے کے لئے ہماری گذارشوں کے جواب بھی دیئے، لیکن موصوف کی یہ تازہ تصنیف دیکھ کر خوشی ہوئی، کہ انھوں نے یہ کتاب اپنی اسی پرانی صاف، شستہ، اور رواں زبان میں لکھی ہے، جس کے وہ قادر الکلام اہل قلم ہیں، اگرچہ ٹائپ میں چھپنے کے باوجود چھپائی کی بعض قابل افسوس غلطیاں باقی رہ گئی ہیں،

سفرنامہ مغرب اقصیٰ، از جناب قاضی میر ولی محمد صاحب بھوپال، حجم ۶۶ صفحات، قیمت درج نہیں،

یہ اقصائے مغرب کا عبرت انگیز سفرنامہ ہے، اسلامی اندلس کے دور میں مغرب و اندلس باہم قلب و جگر کی حیثیت رکھتے تھے، اور مغرب میں بھی بعض بڑی جلیل القدر اسلامی سلطنتیں قائم تھیں، پھر اندلس کے اجڑنے کے بعد بے خانماں اندلسی خاندانوں نے اسی سرزمین میں آکر پناہ لی، اور آج بھی یہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی موجود ہے، جو اگرچہ فرانس و اسپین کے پنجۂ استعمار میں گرفتار ہے، لیکن ان کے وجود سے اسلامی عہد کی یاد باقی ہے، اسلئے اسلامی تاریخ سے وابستہ دلوں میں اس سرزمین کی طرف غیر معمولی کشش پائی جاتی ہے، میر ولی محمد صاحب نے جنھیں اندلس، افریقہ، مغرب اور سسلی کی تاریخ سے عشق سا ہے، جہاں دوسرے اجڑے دیاروں کی زیارت کی، وہاں وہ کشاں کشاں صحرائے مغرب میں بھی جا پہنچے، اور یہاں کے ایک ایک تاریخی مقام کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا، اور سلاطین علماء و اکابر کی قبریں تلاش کیں، اور اپنے سفرنامہ میں ان کے نشانات بتائے، اسی تلاش و جستجو میں وہ عہد اسلامی

کے مغرب کے مشہور شہر اور دور حاضر کی گمنام آبادی اغمات میں بھی بہ ہزار دشواری وارد ہوئے، یہاں اندلس کا مشہور عبادی تاجدار المعتمد آسودۂ خواب تھا، اس جلیل القدر فرمانروائے اندلس کے اسلامی دور کے آخر میں اسے نئے سرے سے زندہ کیا تھا، اور اس کے نام سے یورپ کی سلطنتیں کانپ اٹھتی تھیں لیکن افسوس کہ آج اغمات میں اسکی قبر کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا، زائر نے تاریخ کے دفتر کھولے اسکی قبر کی جائے وقوع کے متعلق تاریخ کا بتایا ہوا ایک ایک نشان دیکھا، قدیم تاریخی اور موجودہ نقشوں سے سرزمین کو ملایا، لیکن اس جلیل القدر فرمانروا کی آخری خوابگاہ کا پتہ نہ چل سکا، زائر سیاح عالم ابن بطوطہ کی قبر کی زیارت کے شوق میں بھی روانہ ہوا، اسکی قبر ایک سکونتی مکان کے ایک بوسیدہ حجرے میں بتائی گئی، زائر نے وہاں پہنچکر دیکھا، کہ اس کی قبر کی خام زمین مسطح ہو چکی ہے، اور چند اشخاص اس پر چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے ہیں،

فاضل مصنف نے مغرب کی آبادیوں کے موجودہ تمدنی حالات اور یہاں کے مسلمانوں کے تمدنی، سیاسی اور معاشرتی حالات کا نقشہ بھی تفصیل سے کھینچا ہے، جو اپنی جگہ کچھ کم عبرت آموز نہیں، یہ پورا سفرنامہ گویا ایک حساس درد مند مسلم دل کے جذبات و مشاہدات کا آئینہ دار ہے،

الدّین (عربی) از مولانا عبد القدیر صاحب، بدایونی، پتہ نمبر مکان نمبر ۴۴۴، محلہ رکاب گنج، عقب ڈیوڑھی، غالب گنج حیدر آباد، دکن، حجم ۲۳۱ صفحے، قیمت: عار

یہ سنی عقائد و ایمانیات و حنفی مسائل عبادات و مشرب صوفیۂ کرام کے متعلق کتاب و سنت کے متون و مآخذ کے اقتباسات کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، کتاب چار ابواب کتاب العلم، کتاب الایمان کتاب الاسلام اور کتاب الاحسان میں تقسیم ہے، جن میں محنت و عرق ریزی کے ساتھ سنی، حنفی و صوفی مذہب و مشرب کے متعلق آیات و احادیث کے متون، بغیر کسی تمہید و شرح و توضیح کے ترتیب جمع کر دیئے گئے ہیں، جن مسائل میں مؤلف موصوف کو کتب صحاح میں احادیث دستیاب نہ ہو سکی ہیں، ان

میں دیگر مسانید کی طرف رجوع کرکے ذوق و حال کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا گیا ہے،

دو خدائی خدمتگار، مترجمہ جناب محمود علی خانصاحب حجم ۹۹ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲ر

پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی،

اس میں صوبہ سرحد کے مشہور محب وطن بھائیون جناب ڈاکٹر خانصاحب (ایم آرسی ایس لندن) اور سرحدی گاندھی خان عبد الغفار خان کے مختصر سوانح حیات گاندھی جی کے سکریٹری جناب مہادیو دیسائی نے اخلاص و محبت سے لکھے ہین، جس میں ان کے خاندانی و تعلیمی حالات سے لیکر ان کے دور حاضر تک کی سرگرمیان دلچسپ انداز میں بیان کی ہین، جن میں ان کے ایثار و قربانی اور وطنی تحریک کے سلسلہ میں صوبہ سرحد میں ان کے کارنامے خاص طور پر نمایان کئے گئے ہین، نیز ان الزامات کی تردید وزنی دلائل سے کی گئی ہے، جنکو حکومت نے وقتاً فوقتاً اپنے بیانون میں ان بھائیوں کے سر عائد کیا تھا، رسالہ میں گاندھی جی کی ایک مختصر تقریب بھی چھپی ہے، ترجمہ سلیس اور روان ہے،

زوال الامت، از جناب سید جمیل صاحب حجم ۴۸ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۴ر

پتہ:۔ جناب حکیم سید عبد الجلیل صاحب، ڈاکخانہ جرول، ضلع بہرائچ، (یوپی)،

اس رسالہ میں مسلمانون کے عہد اول میں ترقی کرنے کے اسباب دکھائے گئے ہین، کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے، اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات کو علیحدہ عنوانوں سے بیان کرکے ان سے موجودہ زمانہ میں مسلمانون کی دوری دکھائی گئی ہے، اور پھر بتایا گیا ہے کہ مسلمان قرن اول کے جذبۂ ایمانی، جوش سرفروشی، اور حقیقی مساوات کا جذبہ پیدا کرنے، فرقہ دارانہ اختلافات سے علیحدہ ہونے، مسلمانون اور غیر مسلمون کے لئے نمونہ اخلاق بننے، اسلامی تہذیب و شائستگی اختیار کرنے، اور صنعت اور تجارت کو ترقی دینے سے حقیقی ترقی کا عہد زرین واپس لوٹا سکتے ہین، اس لئے مسلمانون کا یہ دور زوال دراصل دوسری قومون کے برخلاف اپنے پچھلے شاندار ماضی کی طرف واپس جانے سے بدل سکتا ہے،

مکتوبات امجد، مرتبہ جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی، پتہ شمس المطابع، عثمان گنج، حیدر آباد، ۵۹ صفحے، قیمت:۔ ۸ر

یہ حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادی کے چند خطوط کا مجموعہ ہے، ان میں بھی موصوف کا وہی خاص رنگ نمایان ہے، جو ان کی تصنیفات و رباعیات میں نظر آتا ہے،

احکام اسلام، از مولوی کفیل احمد صاحب کرتپوری ناشر رائل ایجوکیشنل بک ڈپو جامع مسجد دہلی، حجم ۲۰۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت:۔ ۵ر

اس میں اسلام کے عقائد و ایمانیات کے معلومات کسی قدر تفصیل سے اور عبادات کے مسائل اجمال کیساتھ درج کئے گئے ہیں، رسالہ کا طریقۂ ادا عام فہم اور پیرایۂ بیان دلنشین ہے،

قوت القرآن از جناب واحدہ خانم و مسلم ویلوروی پتہ نمبر ۱۲۵ جدید لبو بازار بنگلور سٹی، ۹۴ صفحے، قیمت:۔ ۶ر

اس میں آنحضرت صلعم کی سیرت پاک، اور قرآن مجید کی تعلیمات سے دکھایا گیا ہے، کہ انہی کی پیروی کرکے مسلمان "قوت" حاصل کر سکتے ہین، جس سے سربلندی حاصل ہوگی،

اساس القرآن، از جناب واحدہ خانم و مسلم ویلوروی پتہ نمبر ۱۲۵، جدید لبو بازار بنگلور سٹی، حجم ۱۶۶ صفحے، قیمت:۔ ۱۰ر

اس میں سورۂ فاتحہ کی آیات کے معانی و مطالب بیان کئے گئے ہیں،

دوزخ کا کھٹکا، از مولینا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، ناشر منیجر دینی بک ڈپو، کوچہ ناہر خان، دہلی، حجم ۱۳۶ صفحات قیمت ۱۲ر

اس رسالہ میں منہیات شرعی سے متعلق تقریباً نو سو سے زائد حدیثیں بہ ترتیب عنوان جمع کی گئی

ہیں اکثر مقامون پر ان کی تشریح بھی درج کی گئی ہے، حدیثوں کے متن و شرح کی عبارتوں میں امتیاز
رکھا جاتا تو بہتر ہوتا، یہ مسلمانوں کی تہذیب کی ضروریات کے لئے کارآمد رسالہ ہے، جو مقبول ہو چکا ہے
اور اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا گیا ہے،

پاک زندگی، از مولینا احمد سعید صاحب، ناشر منیجر دینی بک ڈپو کوچہ ناہر خان،
دہلی، ۴۸ صفحے، قیمت: ۔/۴ر

یہ مولینا احمد سعید صاحب دہلوی کے تین مضامین "فطرۃ سلیمہ" (یعنی حضرت ابراہیمؑ کے سوانح پر
ایک نظر) "حیاتِ طیبہ" (سیرتِ پاک کا بیان) اور "رسالہ فضائلِ درود" کا مجموعہ ہے،

ہادی عالم، از جناب حاجی نبی احمد کرتپوری، ناشر سکریٹری سیرت کمیٹی، بریلی،
اس رسالہ میں آنحضرت صلعم کی سیرت پاک بیان کی گئی ہے، رسالہ مفت تقسیم کیا گیا ہے،

آئینۂ حق نما، از مولوی محمد امین صاحب خوشابی، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ،
لاہور، قیمت: ۔/۴ر

اس میں اسمائے حُسنیٰ کی منظوم شرح کی گئی ہے، اور ہر اسم سے متعلق مختلف معلومات درج کی گئی ہیں،

روحِ جذبات، از جناب خادم اجمیری، پتہ منتظم محی الاوقاف معینی گدڑی شاہی انجمن جہالرہ
اجمیر، ۹ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت درج نہیں،

یہ جناب خادم اجمیری کے تازہ کلام کا مجموعہ ہے، جو دو عنوانوں "عقیدت" و "محبت" کے نام سے مرتب کیا
گیا ہے، پہلا حصہ حمد و نعت اور منقبت خواجگان چشت کی منقبت میں ہے، دوسرا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، کلام میں ذاتی پختگی ہے

تسخیر یاس، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، ۳۲ صفحے، قیمت: ۔/۵ر

یہ مولوی اشرف الدین صاحب یاس ٹونکی کے ابتدائی دور شاعری کے کلام کا مجموعہ ہے، جسے نفاست
کیساتھ چھاپا گیا ہے،